سورۂ ابراہیم

(ایاتھا ۵۲) (۱۴ سورۃ ابراہیم مکیۃ ۷۲) (رکوعاتھا ۷)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

حضرت حسن، عکرمہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم کے نزدیک ساری سورت مکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت قتادہ نے کہا: سوائے دو آیتوں کے باقی ساری سورت مکی ہے جب کہ دو آیات مدنی ہیں، جب کہ ایک قول کے مطابق تین آیات (مدنی) ہیں جو ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کی وہ اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ كُفۡرًا سے لے کر فَاِنَّ مَصِيۡرَكُمۡ اِلَى النَّارِ ۞ تک ہیں۔

الٓرٰ كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ۙ بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ اِلٰى صِرَاطِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ ۙ ۞

''الف، لام، را، یہ (عظیم الشان) کتاب ہے ہم نے اتارا ہے اسے آپ کی طرف تاکہ آپ نکالیں لوگوں کو (ہر قسم کی) تاریکیوں سے نور (ہدایت وعرفان) کی طرف ان کے رب کے اذن سے (یعنی) عزیز وحمید کے راستہ کی طرف''۔

قولہ تعالیٰ: الٓرٰ كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ اس کا معنی گزر چکا ہے۔ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ یعنی آپ نکالیں کتاب کے ذریعے اور وہ قرآن ہے، یا اس کی طرف بلانے کے ذریعے لوگوں کو نکالیں۔ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ۔ یعنی کفر، گمراہی اور جہالت کی تاریکیوں سے ایمان اور علم کے نور کی طرف اور یہ بطور تمثیل ہے، کیونکہ کفر بمنزلہ ظلمت اور اسلام بمنزلہ نور ہے۔ اور ایک قول یہ ہے: بدعت سے سنت اور شک سے یقین کی طرف۔ سب کا معنی قریب قریب ہے۔ بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ یعنی انہیں اللہ تعالیٰ کی توفیق ملنے سے اور ان پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ میں باتخرج کے متعلق ہے اور فعل کی اضافت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس لیے ہے کیونکہ دعوت دینے والا اور ڈرانے والا ہادی ہوتا ہے۔ اِلٰى صِرَاطِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ عزیز اور حمید کے درمیان واؤ اس لیے نہیں کہ یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں جس طرح خرجتُ إلی زید العاقل الفاضل عاقل وفاضل کے درمیان واؤ نہیں کیونکہ دونوں ایک ہی چیز ہیں اور اللہ وہ بے مثل ذات ہے جس کے کوئی مثل اور مشابہ نہیں۔ اور ایک قول یہ ہے الۡعَزِيۡزِ سے مراد وہ ذات ہے جس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ ایک قول کے مطابق الۡعَزِيۡزِ سے مراد اپنی ملکیت اور سلطنت میں کنٹرول کرنے والا ہے۔ الۡحَمِيۡدِ یعنی جس کی ہر زبان کے ذریعے تعریف کی گئی ہو، اور ہر حال میں ہر جگہ میں جس کی شان بیان کی جاتی ہو۔ مقسم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: کچھ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور کچھ نے آپ کا انکار کیا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا تھا وہ

آپ پر ایمان لے آئے اور جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے انہوں نے آپ کا انکار کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی، اس کو ماوردی نے ذکر کیا ہے (1)۔

اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ وَیْلٌ لِّلْكٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِیْدِ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَةِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ یَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ﴿۳﴾

''وہی اللہ جس کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بربادی ہے کفار کے لیے سخت عذاب کے باعث جو پسند کرتے ہیں دنیوی زندگی کو آخرت (کی ابدی زندگی) پر اور (دوسروں کو بھی) روکتے ہیں راہ خدا سے اور وہ چاہتے ہیں کہ اس راہ راست کو ٹیڑھا بنا دیں یہ لوگ بڑی دور کی گمراہی میں ہیں''۔

قولہ تعالیٰ: اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ یعنی ملکیت، بندگی، ایجاد اور تخلیق کے اعتبار سے آسمان و زمین کی سب چیزیں اللہ کی ہیں۔ نافع، ابن عامر اور دیگر قراء نے لفظ اللہ کو مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع پڑھا ہے۔ الَّذِیْ اس کی خبر ہوگی۔ جب کہ یہ بھی کہا گیا ہے الَّذِیْ اس کی صفت ہے اور خبر مضمر ہوگی، یعنی اللہ الذی لہ مافی السموات والارض قادر علی کل شیٔ اور باقیوں نے الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ کی صفت کی بنیاد پر مجرور پڑھا ہے تو اس صورت میں صفت موصوف سے مقدم ہوگی، جیسے آپ مررت بالظریف زید کہتے ہیں (یعنی زید موصوف اور ظریف صفت ہے) یہ بھی قول ہے کہ صفت نہیں بلکہ الْحَمِیْدِ سے بدل ہے، کیونکہ اللہ کا اسم علم بن چکا ہے لہٰذا اس کی صفت کی ضرورت نہیں ہوگی البتہ معنوی اعتبار سے اس کی صفت بیان ہو سکتی ہے، کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ذات جو قدرت ایجاد کے ذریعے منفرد ہے۔ ابو عمرو نے کہا: تقدیم و تاخیر کے اعتبار سے یہ مجرور ہوگا یعنی الی صراط اللہ العزیز الحمید الذی لہ مافی السموات ومافی الارض۔

اور یعقوب الحمید پر وقف کی صورت میں اور وصل کی صورت میں جر دیتے ہیں۔ ابن انباری نے کہا: جس نے خبر دی ہے اس نے وَ مَا فِی الْاَرْضِ پر وقف کیا ہے۔

قولہ تعالیٰ: وَ وَیْلٌ لِّلْكٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِیْدِ ویل کا معنی سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ زجاج نے کہا: یہ ایسا کلمہ ہے جو عذاب اور ہلاکت کے لیے بولا جاتا ہے۔ مِنْ عَذَابٍ شَدِیْدِ یعنی جہنم میں۔ الَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یعنی وہ دنیوی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں اختیار کرتے ہیں اور یہ کافروں کا طریقہ ہے۔ الَّذِیْنَ کافروں کی صفت ہونے کی وجہ سے محل جر میں ہے۔ ایک قول کے مطابق مضمر مبتدا کی خبر ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے یعنی ھم الذین۔ ایک قول یہ بھی ہے: الَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ مبتدا ہے اور اس کی خبر اولئک ہے۔ ہر وہ آدمی جس نے دنیا اور اس کی لذات کو آخرت پر ترجیح دی، دنیا کی نعمتوں میں باقی رہنے کو آخرت میں ملنے والی نعمتوں کے مقابلے میں پسند کیا اور لوگوں کو اللہ اور اس کے دین سے جو اللہ کے رسول لے کر آئے پھیرا وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس آیت میں داخل ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، سورۂ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 121

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اپنی امت کے حوالے سے جو خوف ہے اس میں سب سے زیادہ خوف گمراہ ائمہ کا ہے''۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ ان ادوار کی نسبت اب یہ بہت زیادہ ہے (1)۔ واللہ المستعان۔

ایک قول یہ ہے: یَسْتَحِبُّوْنَ سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کی مرضی کے بغیر دنیا کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ اللہ کی نعمت اس کی اطاعت کے ذریعے ہی حاصل کی جاتی ہے مصیبت اور نافرمانی کے ذریعے نہیں۔

وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا یعنی وہ چاہتے ہیں کہ اپنی خواہشات اور حاجات واغراض کو پورا کرنے کے لیے اللہ کے راستے کو ٹیڑھا کر دیں۔ السبیل مذکر اور مؤنث دونوں طرح مستعمل ہے، دین، امر، ارض اور ہر وہ چیز جو قائم اور کھڑی نہ ہو تو اس میں العوج عین کے کسرہ کے ساتھ آتا ہے، جب کہ وہ چیزیں جو سیدھی کھڑی ہوتی ہے جیسے دیوار اور نیزہ وغیرہ ان کے لیے عین کے فتح کے ساتھ آتا ہے، سورۂ آل عمران اور دیگر مقامات پر یہ گزر چکا ہے۔ اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ یعنی وہ حق سے دور ہیں۔

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ ؕ فَیُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝

''اور ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو مگر اس قوم کی زبان کے ساتھ تا کہ وہ کھول کر بیان کرے ان کے لیے (احکام الٰہی کو) پس گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہی سب پر غالب، بہت دانا ہے''۔

قولہ تعالیٰ: وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ یعنی اے محمد صلی اللہ علیک وسلم! آپ سے پہلے ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا۔ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ مگر اس قوم کی زبان کے ساتھ، تا کہ وہ ان کے سامنے ان کے دین کے معاملات کو کھول کر بیان کریں۔ اور لسان کا قوم کی طرف مضاف ہونے کے باوجود واحد ہونا اس وجہ سے ہے کہ اس سے مراد لغت ہے۔ اور یہ اسم جنس ہے قلیل وکثیر پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس آیت میں عجم وعرب کے لیے کوئی حجت نہیں، کیونکہ ہر وہ آدمی جس کے سامنے نبی کے لائے ہوئے پیغام کو ایسے ترجمے کے ساتھ پیش کیا جائے جو اس کو سمجھ آتا ہو تو اس سے حجت لازم ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا (سبا: 28) اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور بروقت خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کو اس کی امت کی طرف اس کی زبان کے ساتھ بھیجا گیا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے ہر سیاہ وسرخ کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! مجھے اس امت کے جس بھی یہودی اور نصرانی نے سنا اور پھر میرے لائے ہوئے پیغام پر ایمان نہ لایا تو وہ دوزخی ہے'' (2)۔ اس روایت کو امام مسلم نے بیان کیا ہے، یہ پہلے گزر چکا ہے۔ فَیُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ یہ مشیت کے نفاذ کے حوالے سے قدریہ کا رد ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ لیبین پر

1۔ کنز العمال، کتاب الاکمال، جلد 10، صفحہ 188، حدیث 28986

2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، وجوب الایمان برسالۃ نبینا، جلد 1، صفحہ 86

اس کا عطف نہیں، کیونکہ ارسال ہوتا ہی تبیین کے لیے ہے گمراہ کرنے کے لیے نہیں ہوتا۔ اور یضل کو منصوب پڑھنا بھی جائز ہے کیونکہ ارسال اضلال کا سبب ہو سکتا ہے، تو یہ اسی طرح ہوگا جیسے اللہ کا ارشاد: لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا (القصص: 8) پس ارسال، اضلال کا سبب ہوگا کیونکہ جب آپ ان کے پاس آئے تو انہوں نے آپ کا انکار کر دیا، تو یہ ایسا ہی ہوا گویا کہ یہ ان کے کفر کا سبب بن گیا۔ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ اس کا معنی گزر چکا ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿٥﴾

اور بے شک ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ (اور انہیں حکم دیا) کہ نکالو اپنی قوم کو (گمراہی کے) اندھیروں سے نور (ہدایت) کی طرف اور یاد دلاؤ انہیں اللہ تعالیٰ کے دن یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ہر بہت صبر کرنے والے شکر گزار کے لیے''۔

قولہ تعالیٰ: وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا آیات سے مراد حجت و براہین ہیں یعنی ہم نے موسیٰ کو اپنی سچائی پر دلالت کرنے والے معجزات کے ساتھ بھیجا ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ (نشانیاں) نو آیات ہیں (1)۔ أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ اس کی مثال سورت کے آغاز میں ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اللہ کا یہ ارشاد ہے کہ: لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ایک قول کے مطابق أَنْ بمعنی أی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد: وَانْطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنِ امْشُوا (ص: 6) یعنی ای امشوا۔

قولہ تعالیٰ: وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ یعنی انہیں ایسی بات کہو جس کی وجہ سے انہیں اللہ تعالیٰ کے ایام یاد آئیں۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور حضرت قتادہ نے کہا: یعنی ان کو ان پر ہونے والی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلاؤ (2)، اس کو حضرت ابی بن کعب نے بیان فرمایا اور مرفوعاً روایت کیا ہے یعنی انہیں فرعون اور وادی تیہ سے نجات دلا کر اللہ نے جو نعمت فرمائی وہ اور دیگر نعمتیں انہیں یاد دلاؤ۔ بعض اوقات نعمتوں کو ایام کا نام دے دیا جاتا ہے، اسی سے عمرو بن کلثوم کا قول ہے:

وأيام لنا غر طوال

اس میں ایام سے مراد نعمتیں ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل سے مروی ہے: اس سے مراد سابقہ امتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والے واقعات ہیں (3)، جیسے کہا جاتا ہے: فلان عالم بايام العرب یعنی فلاں عرب کے واقعات کو جانتا ہے۔ ابن زید نے کہا: اس سے مراد وہ ایام ہیں جن میں گزشتہ امتوں سے انتقام لیا گیا۔ اسی طرح ابن وہب نے مالک سے روایت کیا ہے: اس سے مراد اللہ کی آزمائش اور امتحان ہے۔ طبری نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں ماضی کے ایام میں ہونے والے معاملات کی نصیحت کی یعنی اللہ کے ایام میں جو نعمتیں اور آزمائش تھیں وہ یاد دلائیں۔ اور اس وقت وہ ذلت و رسوائی میں مبتلا غلام تھے اور صرف

1۔ تفسیر ماوردی، سورۂ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 122 2۔ ایضاً 3۔ معالم التنزیل، سورۂ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 367

الایام کے ذکر پر اللہ تعالیٰ نے اکتفاء فرمایا کیونکہ وہ ان کے نزدیک معروف و معلوم تھے۔

حضرت سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما عن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے آپ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے درمیان اللہ تعالیٰ کے ایام کی یاد دلا رہے تھے اور اللہ کے ایام سے مراد اس کی آزمائش اور نعمتیں ہیں۔ اور حدیث خضر کا ذکر کیا۔ یہ آیت کریمہ دلوں کو نرم کرنے والے، یقین کو مضبوط کرنے والے، ہر بدعت سے خالی اور ہر قسم کی گمراہی اور شکوک و شبہات سے منزہ وعظ کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ یعنی اللہ تعالیٰ کے ایام کی تذکیر میں لَاٰیٰتٍ یعنی دلائل ہیں۔ لِّكُلِّ صَبَّارٍ یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر اور اس کی نافرمانی سے بہت زیادہ صبر کرنے والے کے لیے شَكُوْرٍ اللہ کی نعمتوں کا بہت زیادہ شکر کرنے والے کے لیے۔ حضرت قتادہ نے فرمایا: یہ وہ بندہ ہے کہ جب اسے عطا کیا جائے تو شکر کرے اور جب آزمائش میں مبتلا کیا جائے تو صبر کرے (1)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''ایمان دو نصف پر مشتمل ہے نصف صبر اور نصف شکر پر'' (2)۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ کی تلاوت فرمائی۔ شعبی سے بھی اسی قسم کی موقوف روایت مروی ہے۔ حضرت حسن بصری حجاج سے سات سال تک پوشیدہ رہے (3) جب آپ کے پاس اس کی موت کی خبر پہنچی تو آپ نے عرض کیا: یا اللہ! تو نے اسے موت دے دی تو اس کے طریقوں کو بھی موت دے دے، پھر آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا اور اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ پڑھی۔ آیات کو ہر بہت زیادہ صبر اور شکر کرنے والے کے ساتھ خاص کیا کیونکہ وہی ان کے ذریعے عبرت حاصل کرتے ہیں اور ایسی باتوں سے غافل نہیں ہوتے، جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ یَّخْشٰىهَا ﴿۴۵﴾ (النازعات) آپ صرف اسے ڈراتے ہیں جو اس سے ڈرتے ہیں، اگرچہ نبی تو سب کو ڈرانے والا ہوتا ہے۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ یَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ﴿۶﴾ وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ وَ لَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ ﴿۷﴾

''اور جب فرمایا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کو کہ یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت (واحسان) کو جو تم پر ہوا جب اس نے نجات دی تمہیں فرعونیوں سے جو پہنچاتے تھے تمہیں سخت عذاب اور ذبح کرتے تھے تمہارے فرزندوں کو اور زندہ چھوڑ دیتے تھے تمہاری عورتوں (بیٹیوں) کو اور اس میں بڑی بھاری آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے اور یاد کرو جب (تمہیں) مطلع فرمایا تمہارے رب نے (اس حقیقت سے) کہ اگر تم پہلے احسانات پر شکر ادا کرو تو میں مزید اضافہ کر دوں گا اور اگر تم نے ناشکری کی (تو جان لو) یقیناً میرا عذاب شدید ہے''۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَ یُذَبِّحُوْنَ

1۔ تفسیر ماوردی، سورۂ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 122 2۔ ایضاً 3۔ کنز العمال، جلد 1، صفحہ 36، حدیث 726

اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۚ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ کی تفسیر سورۂ بقرہ میں مکمل طور پر گزر چکی ہے۔ والحمدللہ

قولہ تعالیٰ: وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ ایک قول کے مطابق: یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو ارشاد ہے۔ اور ایک قول کے مطابق: یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم یاد کرو جب آپ کے رب نے یہ ارشاد فرمایا ہے: تاذن اور اذن بمعنی اعلم ہے جس طرح أوعد اور توعد۔ یہ معنی حضرت حسن بصری وغیرہ سے مروی ہے اسی سے الأذان ہے، کیونکہ یہ اعلام ہے۔ شاعر نے کہا:

فلم نَشْعُر بِضَوءِ الصبح حتی　　سمعنا فی مجالِسِنا الأذِینا (1)

ہمیں صبح کی روشنی کا احساس نہ ہوا حتیٰ کہ ہم نے اپنی مجلسوں میں اذان سنی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ پڑھتے تھے، معنی ایک ہی ہے۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ یعنی اگر تم میرے انعامات پر شکر ادا کرو گے تو میں اپنے فضل میں اضافہ کروں گا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اگر تم میری نعمت پر شکر ادا کرو گے تو میں اپنی اطاعت کو تمہارے اندر زیادہ کر دوں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر تم موحد بنو گے اور اطاعت کرو گے تو میں تمہارے ثواب میں اضافہ کروں گا، ان تمام اقوال میں معنی قریب قریب ہے۔ آیت کریمہ اس بات کے حوالے سے نص ہے کہ شکر اضافہ کا سبب ہے سورۂ بقرہ میں علماء کے شکر کے بیان کردہ معانی گزر چکے ہیں۔ کسی صحابی سے اللہ تعالیٰ سے شکر کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ تیرا اللہ کی نعمتوں کے ذریعے اس کی نافرمانی پر قوی نہ ہونا۔ حضرت داؤد علیہ السلام سے بیان کیا گیا ہے (2) کہ آپ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! میں کیسے تیرا شکر ادا کروں؟ اور میرا شکر ادا کرنا تیری طرف سے میرے اوپر نعمت کی تجدید ہوتا ہے۔ (اللہ) نے فرمایا: اے داؤد! اب تو نے میرا شکر ادا کیا ہے۔

میں (قرطبی) نے کہا: اس بنیاد پر شکر کی حقیقت یہ ہے کہ منعم کی نعمت کا اعتراف کیا جائے۔ اور اپنے بدن کو اس کی اطاعت کے علاوہ میں بندہ صرف نہ کرے۔ اور ہادی نے کھانا کھاتے ہوئے شعر کہا ہے:

أناكَ رِزقَه لتقومَ فيه　　بطاعتِه و تشكُر بعض حقِه

فلم تشكُر لِنعمتِه ولكِنْ　　قَوِيتَ على معاصِيهِ برزقه

یہ شعر اسی سابقہ معنی کی وضاحت کر رہا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا: جب تو نعمت شکر کے بارے میں سنے تو مزید کے لیے تیار ہو جا۔ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ یعنی اگر تم نے میرے حق کا انکار کیا۔ ایک قول کے مطابق: اللہ کی نعمتوں کا کفران مراد ہے (3)۔ اللہ تعالیٰ نے کفران نعمت یا کفر پر عذاب کا وعدہ فرمایا ہے، جس طرح شکر کی صورت میں اضافے کا وعدہ فرمایا ہے اور ان سے فا شرطیہ مشہور ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰۤى اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝

1۔ تفسیر ماوردی، سورۂ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 123　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً

اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۬ؕ وَ الَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕۛ لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرَدُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ فِیْۤ اَفْوَاهِهِمْ وَ قَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَ اِنَّا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَاۤ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ ۝

''نیز (یہ بھی) فرمایا موسیٰ نے: اگر تم ناشکری کرنے لگو (صرف تم ہی نہیں بلکہ) جو بھی سطح زمین پر ہے (ناشکری کرے) تو بے شک اللہ تعالیٰ غنی (اور) سب تعریفوں کا مستحق ہے۔ کیا نہیں پہنچی تمہیں اطلاع ان (قوموں) کی جو پہلے گزر چکی ہیں یعنی قوم نوح اور عاد اور ثمود اور جو لوگ ان کے بعد گزرے، نہیں جانتا انہیں مگر اللہ تعالیٰ، لے آئے تھے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں پس انہوں نے (ازراہ تمسخر) ڈال لیے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں اور (بڑی بے باکی سے) کہا: ہم نے انکار کیا اس دین کا جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو اور جس کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو اس کی (صداقت کے بارے میں) ہم شک میں ہیں جو تذبذب میں ڈالنے والا ہے''۔

قولہ تعالیٰ: وَ قَالَ مُوْسٰۤى اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ حَمِیْدٌ یعنی تمہاری اس کاروائی کی وجہ سے اسے کوئی نقصان نہیں، بلکہ وہ غنی ہے۔ الحمید بمعنی المحمود ہے۔

اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ، النبأ کا معنی خبر ہے اس کی جمع الانباء ہے۔ شاعر نے کہا ہے:

أَلَمْ یَأْتِیكَ وَالأَنبَاءُ تَنْمِی

ایک قول کے مطابق: یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے جب کہ ایک قول یہ ہے: یہ اللہ کے ارشادات میں سے ہے، یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم یاد کرو جب آپ کے رب نے یوں فرمایا۔ ایک قول یہ ہے: یہ اللہ تعالیٰ کے خطاب کی ابتدا اور حضرت نوح، حضرت عاد اور حضرت ثمود علیہم السلام کی قوم کی مشہور خبر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے۔ وَ الَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕۛ لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ یعنی ان کی تعداد کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا اور نہ ہی اللہ کے سوا کوئی ان کے نسب کو جانتا ہے اور نسبت بیان کرنے والے اگرچہ انہیں حضرت آدم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں تاہم وہ بھی تمام قوموں کے اُحصاء کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ بعض کا نسب بیان کرتے ہیں اور بعض کا بیان نہیں کرتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جب نسب بیان کرنے والوں نے انہیں معد بن عدنان کی طرف منسوب کیا اور مزید اضافہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نسب بیان کرنے والوں نے جھوٹ بولا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، سوائے اللہ کے انہیں کوئی نہیں جانتا'' (1)۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا: عدنان و اسماعیل کے درمیانی نسب کو جاننے والا ہم نے نہیں پایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا (2): عدنان و اسماعیل کے درمیان تیس باپ ہیں جو معروف نہیں ہیں۔ حضرت ابن

1۔ کنز العمال، کتاب الاکمال، العلوم المذمومۃ، جلد 10، صفحہ 218، حدیث 29157 2۔ تفسیر ماوردی، سورۂ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 124

مسعود رضی اللہ عنہ جب لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتے تو فرماتے (1): نسب بیان کرنے والوں نے جھوٹ بولا ہے۔ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ یعنی حجتوں اور دلائل کے ساتھ فَرَدُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ فِيْۤ اَفْوَاهِهِمْ یعنی ان لوگوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں ڈال لیے تاکہ رسول کے لائے ہوئے پیغام کی وجہ سے وہ ان کو کاٹ لیں، کیونکہ اس پیغام میں ان کی بے وقوفیوں اور ان کے بتوں کی برائیوں کا بیان تھا۔ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور عبدالرحمٰن بن زید نے بھی اس کی مثل بات کی ہے۔ اور عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ (آل عمران: 119) کی تلاوت کی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب انہوں نے کتاب اللہ کو سنا تو متعجب ہوئے اور اپنے ہاتھوں کو اپنے مونہوں میں ڈال دیا۔ حضرت ابو صالح نے کہا (2): جب انہیں ان کے نبی نے فرمایا کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں تو انہوں نے اپنی انگلیوں سے اپنے مونہوں کی طرف اشارہ کیا کہ خاموش ہو جا، مقصود رسول کی تکذیب اور ان کی بات کو رد کرنا تھا، یہ تینوں قول قریب المعنی ہیں اور دونوں ضمیریں کفار کے لیے ہیں، اور سند کے اعتبار سے پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ حدثنا عبدالرحمن بن مهدی عن سفیان عن ابی اسحاق عن ابی الاحوص عن عبداللہ۔

ابو عبید نے اس سند کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: فَرَدُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ فِيْۤ اَفْوَاهِهِمْ کے بارے میں کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ غصے سے انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹے، شاعر نے کہا ہے:

لو انّ سَلْمَى أَبْصَرَتْ تَخَدُّدِی ودِقَّةً لی عِظم ساق ویَدی

وبُعْدَ أَهْلِی وجَفَاءَ عُوَّدِی عَضَّتْ من الْوَجْدِ بأطرافِ الیدِ

یعنی اگر وہ ان سب چیزوں کو دیکھ لے تو غصے سے ہاتھ کے پوروں کو کاٹ لے (تو گویا غصے سے ایسا ہو سکتا ہے)

سورۂ آل عمران میں یہ معنی گزر چکا ہے۔ حضرت مجاہد و قتادہ نے کہا: انہوں نے اپنی بات رسولوں پر لوٹائی اور اپنے مونہوں سے ان کی تکذیب کی، پہلی ضمیر رسولوں کے لیے ہے اور دوسری کفار کے لیے۔

حضرت حسن وغیرہ نے کہا ہے: انہوں نے اپنے ہاتھ رسولوں کے مونہوں پر رکھے، مقصود ان کی بات کی تردید تھی، اس صورت میں پہلی ضمیر کفار کے لیے اور دوسری رسولوں کے لیے ہے۔ ایک قول کے مطابق اس کا معنی یہ ہے: انہوں نے رسولوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ مقاتل نے کہا: انہوں نے رسولوں کے ہاتھ پکڑے اور انہیں خاموش کرنے کے لیے اور گفتگو کو ختم کرنے کے لیے اپنے ہاتھ اپنے رسولوں کے مونہوں پر رکھ دیئے۔ ایک قول یہ بھی ہے: رسولوں نے قوم کے ہاتھ ان کے مونہوں پر لوٹا دیئے۔ ایک قول یہ ہے: یہاں ہاتھوں سے مراد نعمتیں ہیں، یعنی رسولوں کی نعمتوں کو انہوں نے اپنے مونہوں کے ذریعے رد کر دیا۔ مونہوں کے ساتھ رد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ گفتگو اور تکذیب کر کے تردید کی۔ اور رسولوں کا شریعتیں لے کر آنا نعمتیں ہیں۔ معنی یہ ہوگا کہ رسول جو لے کر آئے انہوں نے اپنے مونہوں کے ذریعے ان کی تکذیب کی۔ اور فی بمعنی با ہوگا، جیسے کہا جاتا ہے: جلست فی البیت و بالبیت اور حروف صفات ایک دوسرے کے قائم مقام ہوتے ہیں۔

1۔ تفسیر کشاف، سورۂ ابراہیم، جلد 2، صفحہ 542 2۔ تفسیر ماوردی، سورۂ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 124

ابوعبید نے کہا: یہ ضرب المثل ہے، مراد یہ ہے کہ وہ ایمان نہ لائے اور انہوں نے قبول نہ کیا۔ اور جب کوئی آدمی جواب نہ دے اور خاموشی اختیار کرلے تو عرب کہتے ہیں: قد ردید ہ فی فیہ۔ یہ اخفش کا بھی قول ہے۔ قتیبی نے کہا: مامور بہ کو ترک کرنے کی وجہ سے عربوں میں سے کسی سے بھی ہم نے یہ نہیں سنا کہ وہ یہ کہتے ہوں: ردیدہ فی فیہ لہٰذا معنی یہ ہوگا: انہوں نے غصے و ناراضگی سے ہاتھوں کو کاٹا۔ شاعر کا قول بھی ہے:

تَرُدُّون فی فیہِ غِشَّ الْحَسُود حتی یَعَضّ عَلَیَّ الْأَكُفَّا

''یعنی وہ حسد کرنے والوں کے ساتھ دشمنی اور غصے کا اظہار کرتے ہیں حتی کہ وہ اپنی انگلیوں اور ہتھیلی کو کاٹتا ہے''۔

ایک اور شاعر نے کہا:

قَدْ أَفْنَی أَنَامِلَہٗ أَزْمَةً فَأَضحَی یَعَضُّ علیَّ الْوَظِیْفَا

انہوں نے کہا: امتوں سے مراد رسولوں کی امتیں ہیں (1)۔ اِنَّا كَفَرْنَا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ۔ اس میں انہوں نے ان کے رسول ہونے کا اقرار نہیں کیا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ تمہارے گمان کے مطابق جس دین کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو اس کا ہم نے انکار کیا۔ وَ اِنَّا لَفِیْ شَكٍّ یعنی شکوک وشبہات اور تردد میں مِّمَّا تَدْعُوْنَنَاۤ اِلَیْهِ یعنی توحید مُرِیْبٍ یعنی جو شک کا باعث ہے۔ جب تو کوئی ایسا کام کرے جو تردد اور شک کا باعث بنے تو اربتہ کہا جاتا ہے، یعنی ہمارا خیال ہے کہ تم بادشاہی اور دنیا کے طالب گار ہو۔

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ یَدْعُوْكُمْ لِیَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ یُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۝۱۰

''ان کے پیغمبروں نے پوچھا: کیا (تمہیں) اللہ تعالیٰ کے متعلق شک ہے جو پیدا فرمانے والا ہے آسمانوں اور زمین کا جو (اتنا کریم ہے کہ) بلاتا ہے تمہیں تاکہ بخش دے تمہارے گناہ اور جو (اتنا مہربان ہے کہ پیہم نافرمانی کے باوجود) تمہیں مہلت دیتا ہے ایک مقررہ میعاد تک، ان (نادانوں نے) جواب دیا: نہیں ہو تم مگر بشر ہماری طرح تم یہ چاہتے ہو کہ روک دو ہمیں ان (بتوں) سے جن کی پوجا ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے، پس لے آؤ ہمارے پاس کوئی روشن دلیل''۔

قولہ تعالیٰ: قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ استفہام بمعنی انکار ہے، کیا اللہ تعالیٰ کی توحید میں کوئی شک نہیں، یہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ ایک قول کے مطابق اس سے مراد اللہ کی توحید نہیں بلکہ اللہ کی اطاعت ہے یعنی اللہ کی اطاعت میں کوئی شک نہیں۔ اور اس میں ایک تیسرا احتمال بھی ہے، یعنی کیا اللہ کی قدرت میں شک ہے؟ کیونکہ وہ اس بات پر متفق تھے جبکہ اس کے علاوہ دیگر صورتوں میں ان کا اختلاف ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد (2): فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ بھی دلالت کرتا

1۔ معالم التنزیل، سورۂ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 369
2۔ تفسیر ماوردی، سورۂ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 125

ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو پیدا کرنے والا، بنانے والا اور عدم کے بعد ان کو وجود بخشنے والا ہے، اس ارشاد سے مقصود اللہ تعالیٰ کی قدرت سے آگاہ کرنا ہے تاکہ پتہ چل جائے کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت جائز نہیں۔

یَدْعُوْكُمْ یعنی رسولوں اور کتابوں کے ذریعے اس کی اطاعت کی طرف وہ تمہیں دعوت دیتا ہے۔ لِیَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ ابو عبید نے کہا: من زائدہ ہے۔ سیبویہ نے کہا: یہ تبعیضیہ ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض کو ذکر کر کے مراد سارے ہوں۔ ایک قول کے مطابق من بدل کے طور پر ہے نہ زائدہ ہے اور نہ تبعیضیہ، یعنی مغفرت گناہوں کے بدلے میں ہو جائے۔ وَ یُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى اس سے مراد موت ہے۔ پس وہ تمہیں دنیا میں عذاب نہیں دے گا۔ قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ، ان بمعنی ما ہے۔ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا یعنی ہیئت اور صورت میں، تم وہی کھاتے ہو جو ہم کھاتے ہیں اور تم وہی پیتے ہو جو ہم پیتے ہیں اور تم فرشتے نہیں۔ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا مراد بت وغیرہ ہیں۔ فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ اس سے مراد حجت ظاہری ہے۔ یہ ان سے محال تھا، کیونکہ رسول بغیر معجزات کے دعوت نہیں دیتے۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَمُنُّ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نَّاْتِیَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَ لَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَاۤ اٰذَیْتُمُوْنَا ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾

"کہا انہیں ان کے رسولوں نے کہ ہم تمہاری طرح انسان ہی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ احسان فرماتا ہے جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں سے، اور ہمیں یہ طاقت نہیں کہ ہم لے آئیں تمہارے پاس کوئی دلیل بجز اذن خداوندی اور مومنوں کو فقط اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے اور ہم کیوں نہ بھروسہ کریں اللہ تعالیٰ پر حالانکہ اس نے دکھائی ہیں ہمیں ہماری (کامیابی کی) راہیں اور ہم ضرور صبر کریں گے تمہاری اذیت رسانیوں پر۔ پس اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کرنا چاہیے توکل کرنے والوں کو"۔

قولہ تعالیٰ: قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یعنی جس طرح تم کہتے ہو ہم صورت اور ہیئت میں تمہاری طرح ہیں۔ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَمُنُّ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ یعنی جس پر چاہتا ہے نبوت کے ذریعے مہربانی فرماتا ہے۔ ایک قول یہ ہے: توفیق، حکمت، معرفت اور ہدایت کے ذریعے احسان فرماتا ہے۔ حضرت سہل بن عبد اللہ نے کہا: اس سے مراد تلاوت قرآن اور اس کے فہم کے ذریعے احسان فرماتا ہے۔

میں (قرطبی) نے کہا: یہ عمدہ قول ہے۔ طبری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو کہا: اے چچا! مجھے وصیت کرد۔ آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح پوچھا جس طرح آپ نے پوچھا ہے تو آپ نے فرمایا: "کوئی دن، رات اور گھڑی نہیں جس میں اللہ تعالیٰ صدقہ نہ فرماتا ہو جس کے ذریعے وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے الہام کرنے کی

طرح کا احسان اپنے بندوں پر نہیں فرمایا"۔

وَ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ یعنی حجت اور آیت اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ اللہ کے اذن سے مراد اس کی مشیت ہے یعنی یہ ہمارے بس میں نہیں، ہم یہ طاقت نہیں رکھتے کہ اللہ کے امر اور قدرت کے بغیر جس طرح تم مطالبہ کرتے ہو اس طرح ہم حجت اور دلیل لے آئیں، الفاظ خبر کی صورت میں ہیں مگر معنی نفی کا ہے، کیونکہ کوئی بھی اس کام کا پابند نہیں جس پر وہ قادر نہ ہو (1)۔ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ اس کا معنی گزر چکا ہے۔

وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ، ما استفہامیہ ہے اور مبتدا ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے اور لنا خبر ہے، اور اس کے بعد والا جملہ حال ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی: أيّ شيءٍ لنا في ترك التوكل على الله تعالیٰ پر بھروسے کو ترک کرنے کے سلسلہ میں ہمارے لیے کون سی شے ہے؟

وَ قَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا یعنی وہ راستہ جو اللہ کی رحمت تک پہنچاتا ہے، اور اس کی سختی اور انتقام سے نجات دلاتا ہے۔ وَ لَنَصْبِرَنَّ لام قسم کا ہے۔ اصل میں واللہ لنصبرن ہے۔ عَلٰى مَاۤ اٰذَيْتُمُوْنَا اس کے بعد بہ کے الفاظ بھی ہیں، توہین اور مارنا، تکذیب اور قتل وغیرہ جیسی اذیتیں مراد ہیں۔ ان اذیتوں کی برداشت اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس بھروسے کی وجہ سے ہے کہ وہ ہمیں کافی ہے اور وہ ہماری مدد فرمائے گا۔ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَ لَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَ خَافَ وَعِيْدِ ۝

"اور کہا کفار نے اپنے رسولوں کو کہ ہم ضرور باہر نکال دیں گے تمہیں اپنے ملک سے یا تمہیں لوٹ آنا ہوگا ہماری ملت میں، پس وحی بھیجی ان کی طرف ان کے پروردگار نے کہ (مت گھبراؤ) ہم تباہ کر دیں گے ان ظالموں کو نیز ہم یقیناً آباد کریں گے تمہیں (ان کے) ملک میں انہیں (برباد کرنے) کے بعد، یہ (وعدۂ آخرت) ہر اس شخص کے لیے ہے جو ڈرتا ہے میرے روبرو کھڑا ہونے سے اور خائف ہے میری دھمکی سے"۔

قولہ تعالیٰ: وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَاۤ، لَنُخْرِجَنَّكُمْ میں لام قسم ہے۔ یعنی واللہ لنخرجنکم۔ او لتعودن یعنی حتی تعودوا یا الا أن تعودوا یہ طبری اور دیگر مفسرین کا قول ہے۔ ابن عربی نے کہا: اس کو اس تقدیر (حتی یا الا ان) کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ او اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے تخییر پر دلالت کرتا ہے، کفار نے رسولوں کو اپنی ملت میں واپس لوٹنے یا انہیں اپنے ملک سے نکالنے کا اختیار دیا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے رسولوں اور بندوں کے لیے طریقہ کار ہے، کیا آپ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَ اِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَ اِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا (الاسراء) کو نہیں دیکھتے" (2)۔ اور انہوں نے ارادہ کر لیا ہے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 329
2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 3، صفحہ 1104

کہ پریشان و مضطرب کر دیں گے آپ کو اس علاقے سے تاکہ نکال دیں آپ کو یہاں سے اور (اگر انہوں نے یہ حماقت کی) تب وہ نہیں ٹھہریں گے (یہاں) آپ کے بعد مگر تھوڑا عرصہ (یہی ہمارا) دستور ہے ان کے بارے میں جنہیں ہم نے بھیجا آپ سے پہلے رسول بنا کر"۔

یہ معنی سورۂ اعراف وغیرہ میں گزر چکا ہے۔ فِيْ مِلَّتِنَا یعنی ہمارے دین کی طرف۔ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَ لَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ پس وحی بھیجی ان کی طرف ان کے پروردگار نے کہ (مت گھبراؤ) ہم تباہ کر دیں گے ان ظالموں کو نیز ہم یقیناً آباد کریں گے تمہیں (ان کے) ملک میں انہیں (برباد کرنے) کے بعد۔

ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَ خَافَ وَعِيْدِ یعنی قیامت کے دن میرے سامنے کھڑا ہونے سے، مصدر کو فاعل کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ مقام، قیام کی طرح مصدر ہے۔ قام قیامًا و مقامًا کہا جاتا ہے، اور اس کے اپنے ساتھ اختصاص کی وجہ سے اللہ نے یہ اضافت فرمائی ہے۔ اور مقام میم کے فتحہ کے ساتھ اقامت کی جگہ کو کہتے ہیں، اور میم کے ضمہ کے ساتھ اقامت کے فعل کو کہا جاتا ہے۔ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ یعنی میرے اس کے اوپر قیام اور اس کی نگرانی سے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَفَمَنْ هُوَ قَآىِٕمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ (الرعد: 33) کیا وہ خدا جو نگہبانی فرما رہا ہے ہر نفس کی اس کے اعمال (نیک و بد) کے ساتھ۔

اخفش نے کہا: ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ میں مَقَامِيْ سے مراد، عذابی، یعنی میرا عذاب ہے۔ وَ خَافَ وَعِيْدِ یعنی قرآن اور اس کی دھمکیاں۔ ایک قول کے مطابق: یہ عذاب ہے اور الوعید وعد سے اسم ہے۔

وَ اسْتَفْتَحُوْا وَ خَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾ مِّنْ وَّرَآىِٕهٖ جَهَنَّمُ وَ يُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَ لَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَ يَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ مَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَ مِنْ وَّرَآىِٕهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾

"اور رسولوں نے حق کی فتح کے لیے التجاء کی (جو قبول ہوئی) اور نامراد ہو گیا ہر سرکش، منکر حق، اس (نامرادی) کے بعد جہنم ہے اور پلایا جائے گا اسے خون اور پیپ کا پانی، وہ بمشکل ایک ایک گھونٹ بھرے گا اور حلق سے نیچے نہ اتار سکے گا اور آئے گی اس کے پاس موت ہر سمت سے اور وہ (بایں ہمہ) مرے گا نہیں، (علاوہ ازیں) اس کے پیچھے ایک اور سخت عذاب ہوگا"۔

قولہ تعالیٰ: وَ اسْتَفْتَحُوْا یعنی انہوں نے مدد کی التجا کی، یعنی رسولوں کو اپنی قوم کے خلاف فتح کی التجا اور ان کی ہلاکت کی دعا کرنے کی اجازت دی گئی۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کا نقطہ نظر ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ گزر چکا ہے اور اس سے حدیث طیبہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین کی کامیابی و کامرانی کے لیے فتح کی التجا کرتے تھے یعنی مدد طلب کرتے تھے۔

ابن زید نے کہا: مختلف امتوں نے دعا کے ذریعے فتح کی التجا کی جس طرح قریش نے کہا: اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ الآیۃ (الانفال: 32) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''انہوں نے میری تکذیب کی ہے پس میرے درمیان اور ان کے درمیان فیصلہ فرما''۔ مختلف امتوں نے کہا: اگر یہ سچے ہیں تو ہمیں عذاب میں مبتلا کر۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے کہ اس کی مثال ائتنا بعذاب اللہ ان کنت من الصادقین ہمارے اوپر اللہ کا عذاب لا اگر تو سچوں میں سے ہے۔ فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (الاحقاف) ہمارے اوپر وہ لا جس کا تو نے ہمارے ساتھ وعدہ کیا ہوا ہے اگر تو رسولوں میں سے ہے۔ وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ، جَبَّارٍ سے مراد وہ متکبر ہے جو اپنے اوپر کسی کا کوئی حق نہیں سمجھتا۔ نحاس کے ذکر کردہ بیان کے مطابق اہل لغت کے نزدیک اس کا یہی معنی ہے اور عَنِيْدٍ حق کا انکار کرنے والا اور اس سے پہلوتہی اختیار کرنے والا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر سے مروی ہے: جب کوئی قوم سے دوری اختیار کر لے تو عَنَدَ عن قومه کہا جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ العَنَد سے ہے اور العُنُد سے مراد ناحیہ اور کونہ ہوتا ہے اور عَانَدَ فلانٌ سے مراد ہے اس نے کونے میں اعراض کرتے ہوئے پکڑا۔ شاعر نے کہا:

إذا نزلت فاجعلوني وَسَطًا إنّي كبيرٌ لا أُطيقُ العُنَدَا

ہروی نے کہا: اللہ تعالیٰ کے ارشاد: جَبَّارٍ عَنِيْدٍ سے مراد میانہ روی کی نسبت ظلم اختیار کرنے والا ہے۔ اور یہ العنود، العنید اور العاند ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ آپ سے مستحاضہ عورت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: انه عرق عاند۔ ابو عبید نے کہا: یہ وہ ہے جس نے سرکشی اور بغاوت اختیار کی جس طرح انسان بغاوت کرتا ہے۔ تو یہ رگ بھی اس سے نکلنے والے خون کی کثرت کی وجہ سے اسی کی طرح ہے۔ شمر نے کہا: عاند وہ ہے جس کا خون نہیں رکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی سیرت کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میں میانہ روی سے ہٹنے والے کو اپنی طرف کھینچتا ہوں۔ لیث نے کہا: اونٹوں میں سے عنود وہ ہے جو دیگر اونٹوں کے ساتھ نہیں ملتا بلکہ ہمیشہ ایک طرف رہتا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ جو مخالفت کا ارادہ کرے یا جماعت سے علیحدہ ہونا چاہے میں اسے اس کے ساتھ ملا دیتا ہوں۔

مقاتل نے کہا: عَنِيْدٍ سے مراد متکبر ہے۔ ابن کیسان نے کہا: یہ اپنی ناک کے ذریعے بلند ہونے والا ہے۔ ایک قول یہ ہے: العنود اور العنید سے مراد وہ ہے جو رسولوں کے خلاف تکبر اختیار کرتا ہے اور حق کے راستے سے ہٹ جاتا ہے اس پر نہیں چلتا۔ عرب راستے سے ہٹ جانے والے اونٹ کے متعلق کہتے ہیں: شد الابل العنود۔ ایک قول کے مطابق: العنید سے مراد گناہگار اور نافرمان ہے۔ حضرت قتادہ نے کہا: عنید وہ ہے جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے سے انکار کیا۔

میں (قرطبی) نے کہا: آیت میں جَبَّارٍ اور عَنِيْدٍ کا معنی ایک ہی ہے اگرچہ لفظ مختلف ہیں۔ اور ہر وہ آدمی جو حق سے دور ہوتا ہے وہ جَبَّارٍ اور عَنِيْدٍ ہے یعنی متکبر ہے۔ ایک قول یہ ہے: آیت میں اس سے مراد ابو جہل ہے، اس کو مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ ماوردی نے اپنی کتاب أدب الدنیا والدین میں حکایت بیان کی ہے کہ ولید بن یزید بن عبد الملک نے ایک دن قرآن کریم کو کھولا تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد: وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ نکلا تو اس نے قرآن پاک کو پھاڑ دیا اور یہ اشعار پڑھنے لگا:

أتُوعِدُ كلَّ جَبّارٍ عَنِيدٍ فها أنا ذاكَ جَبّارٌ عَنِيدُ

إذا ما جئتَ ربك يوم حشرٍ فَقُلْ يا رَبِّ مزّقني الوليدُ

کیا تو ہر جبار عنید کو دھمکی دیتا ہے یہ لو میں ہوں وہ جبار عنید۔ جب تو اپنے پروردگار کے پاس حشر والے دن آئے گا تو کہہ دینا: اے میرے پروردگار! مجھے ولید نے پھاڑا ہے۔

پھر کچھ ہی دن رہا کہ اسے بری طرح قتل کر دیا گیا اور اس کے سر کو اس کے محل پر لٹکا دیا گیا پھر اسے شہر کی چار دیواری پر لٹکایا گیا۔

قولہ تعالیٰ: مِنْ وَّرَآىٕهٖ جَهَنَّمُ یعنی اس کافر کے پیچھے جہنم ہے یعنی اس کی ہلاکت کے بعد جہنم ہے اور وراء بمعنی بعد ہے نابغہ نے کہا:

حَلَفْتُ فلم أترِكْ لِنفسكَ رِيبةً وليس وراءَ اللهِ للمرءِ مذهبُ(1)

میں نے قسم اٹھائی اور تیرے نفس کے لیے کوئی شک نہ چھوڑا اور ان کے لیے اللہ کے بعد کوئی اور مفر نہیں۔

یہاں وراء اللہ سے مراد بعد اللہ ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَ مِنْ وَّرَآىٕهٖ عَذَابٌ غَلِیْظٌ سے مراد من بعدہ ہے۔ اور اللہ کے ارشاد وَ یَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ (البقرہ: 91) سے مراد بما سواہ ہے۔ یہ فراء کا قول ہے۔ ابو عبید نے کہا: اس کا معنی بما بعدہ ہے۔ ایک قول کے مطابق: من ورائہ سے مراد من أمامہ ہے اسی سے شاعر کا قول ہے:

ومن ورائِكَ يومٌ أنتَ بالِغُه لا حاضرٌ مُعجِزٌ عنه ولا بادِي(2)

من ورائك سے مراد من امامك یعنی تیرے سامنے ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

أترجو بنو مروان سَمعِي و طاعتِي وقومي تميمٌ والفلاةُ ورائيا

ورائیا سے مراد امام یعنی سامنے ہے۔

لبید نے کہا:

أليس ورائي ان تراخت منيتي لزوم العصا تحنى عليها الأصابع

ورائی سے مراد أمامی ہے اور وكان وراءهم ملك سے مراد كان أمامهم ملك ہے۔ ابو عبیدہ اور ابو علی قطرب وغیرہ کا یہی نقطہ نظر ہے۔

اخفش نے کہا: یہ اسی طرح ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ هذا الأمر من ورائك یعنی عنقریب تیرے پاس آ جائے گا اور أنا من وراء فلان یعنی میں اس کی تلاش میں ہوں اور عنقریب اس تک پہنچ جاؤں گا۔

نحاس نے کہا: اللہ کے ارشاد مِنْ وَّرَآىٕهٖ جَهَنَّمُ میں وَرَآىٕهٖ سے مراد امامہ ہے یہ اضداد میں سے نہیں بلکہ یہ توریہ ہے۔ ازہری نے کہا: وراء بمعنی امام اور خلف دونوں ہے یہ اضداد میں سے ہے، یہ ابو عبید کا بھی قول ہے۔ اور ان دونوں کا

1۔ تفسیر ماوردی، سورۂ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 128 2۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 127

اشتقاق ان میں سے ہے جو پوشیدہ ہوتی ہیں، پس جہنم پوشیدہ ہے اور ظاہر نہیں ہوتی، لہٰذا یہ وراء ہوگئی کیونکہ دکھائی نہیں دیتی، اس کو ابن انباری نے حکایت کیا ہے اور یہ عمدہ بات ہے۔

وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ یعنی ایسا پانی پلایا جائے گا جو پیپ کی طرح ہوگا، جس طرح بہادر آدمی کو اسد کہا جاتا ہے، اس سے مراد بھی یہی ہوتا ہے کہ وہ اسد کی طرح ہے یہ تمثیل اور تشبیہ ہے۔ ایک قول یہ ہے: یہ وہ ہے جو دوزخیوں کے جسم سے قیح اور خون بہتا ہے۔ محمد بن کعب قرظی اور ربیع بن انس نے کہا: یہ دوزخیوں کا غسالہ ہے، اور یہ پانی ہے جو زانی مردوں اور عورتوں کی شرمگاہوں سے نکلتا ہے۔ صدید، صد سے ماخوذ ہے۔ ابن مبارک نے ذکر کیا ہے کہ ہمیں صفوان بن عمرو نے عن عبید اللہ بن بسر عن ابی امامہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم خبر دی ہے کہ **وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ۝ يَّتَجَرَّعُهٗ** کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان کے منہ کے قریب کیا جائے گا تو وہ اس کو ناپسند کریں گے۔ جب اسے اس کے قریب کیا جائے گا تو یہ اس کے چہرے کو بھون دے گا اور اس کی حدت اس کے سر تک پہنچ جائے گی اور جب وہ اسے پیے گا تو یہ اس کی انتڑیاں کاٹ دے گا یہاں تک کہ وہ اس کی دبر سے نکلے گا''۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ۝** (محمد) اور اللہ ارشاد فرماتا ہے: **وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ** (الکہف: 29) اس روایت کو ترمذی نے بیان کیا ہے اور کہا ھذا حدیث غریب۔ (دونوں آیات حدیث کے معنی کی شرح ہیں) جس عبید اللہ بن بسر نے صفوان بن عمرو سے حضرت ابو امامہ کی حدیث روایت کی ہے شاید وہ عبد اللہ بن بسر کا بھائی ہو۔ **يَّتَجَرَّعُهٗ** یعنی وہ اس کو گھونٹ گھونٹ کر کے پئیں گے، اس کی کڑواہٹ اور حرارت کی وجہ سے ایک ہی دفعہ نہیں پی سکیں گے۔ **وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ** یعنی وہ اسے نگل نہیں سکے گا، جرع الماء و اجترعه و تجرعه کہا جاتا ہے اور اس کا معنی ساغَ الشراب فی الحق یَسُوغُ سَوغًا یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ آسانی سے نگل لے، اسی طرح وأساغه الله إساغة ہے اور یکاد صلہ ہے، یعنی وہ اس کو دیر لگانے کے بعد نگلے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝** (البقرہ) یعنی انہوں نے سستی کے بعد کام سرانجام دیا، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۝** (الحج) تو یہ اساغت پر دلالت کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نہ وہ اس کو جائز قرار دے گا اور نہ وہ اس کے ذریعے فائدہ حاصل کرے گا۔

وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یعنی ہر طرف سے اس کے دائیں بائیں، اوپر نیچے، آگے اور پیچھے سے موت کے اسباب اس کے پاس آئیں گے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد **لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ** (الزمر: 16) ان کے اوپر سے دوزخ کا سایہ ہوگا اور ان کے نیچے سے سایہ ہوگا۔

ابراہیم تیمی نے کہا: اس کے جسم کے ہر حصے سے وہ اس کے پاس آئے گی یہاں تک کہ بالوں کے اطراف سے بھی، ان تکلیفوں کے لیے موت کا لفظ بولا گیا ہے جو اس کے جسم کے ہر حصے سے آئیں گی (1)۔ ضحاک نے کہا: ہر طرف اور ہر جگہ سے حتیٰ کہ اس کے پاؤں کے انگوٹھے سے موت اس کے پاس آئے گی۔ اخفش نے کہا: اس سے مراد وہ مصیبتیں ہیں جو جہنم میں

1۔ تفسیر ماوردی، سورۂ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 128

کافر کو جھیلنا پڑیں گی اللہ تعالیٰ نے ان مصیبتوں کو موت فرمایا ہے اور یہ موت بھی بڑی ہوگی۔ ایک قول یہ ہے: اس کے ہر عضو پر عذاب کی ایک صورت مسلط ہوگی۔ عذاب کی ایک صورت کا ایک لحظہ کے لیے تسلط اس پر ستر مرتبہ کی موت سے زیادہ مشکل ہوگا۔ عذاب کی مختلف صورتوں میں ڈسنے والا سانپ، ڈنگ مارنے والا بچھو، جلادینے والی آگ، پاؤں کی بیڑیاں، گردن میں گرم زنجیریں، زنجیروں کے ساتھ جکڑنا، تابوت میں بند کرنا، پیپ، گرم پانی اور اس کے علاوہ کئی اور صورتیں ہیں۔ محمد بن کعب نے کہا: جب کافر جہنم میں پانی مانگے گا تو اسے دیکھ کر کئی موتیں مرے گا، جب اسے اس کے قریب کیا جائے گا تو پھر کئی موتیں مرے گا، اور پھر جب اسے پیے گا تو کئی موتیں مرے گا۔ پس اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ سے یہی مراد ہے۔ ضحاک نے کہا: وہ نہیں مرے گا تو راحت طلب کرے گا۔ ابن جریج نے کہا: اس کی روح اس کی پسلیوں میں معلق ہوجائے گی اور باہر نہیں نکلے گی تو وہ مرے گا، پھر اس کے پیٹ سے روح اپنی جگہ کی طرف نہیں لوٹے گی تو زندگی اسے فائدہ دے گی، اس کی مثال اللہ تعالیٰ کے ارشاد ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ۝ (الاعلیٰ) میں ہے یعنی اس میں نہ وہ مرے گا اور نہ زندہ رہے گا۔ ایک قول کے مطابق اللہ تعالیٰ اس کے جسم میں کئی آلام پیدا فرمائے گا جن میں سے ہر ایک موت کے الم کی طرح ہے۔ ایک قول یہ ہے: وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ سے مراد یہ ہے کہ اس کے ذریعے موت کے شدائد کو طوالت اور سکرات الموت کو لمبا کیا جاسکے گا تاکہ یہ صورت اس کے عذاب میں زیادتی کا سبب بنے۔

میں (قرطبی) نے کہا: اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کافر مرے گا، حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا (فاطر: 36) نبی کریم ﷺ کے ارشادات بھی اسی طرح کے ہیں، کفار کے حالات ایسے ہوں گے جیسے اس آدمی کے حالات ہوسکتے ہیں جس پر ہمیشہ سکرات الموت طاری رہیں۔ واللہ اعلم۔

وَمِنْ وَرَائِهِ یعنی اس کے آگے۔ عَذَابٌ غَلِيظٌ اس سے مراد سخت اور مسلسل تکلیف دہ عذاب ہے جس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی، اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً (التوبہ: 123) ہے۔ اس سے مراد بھی شدت اور قوت ہے۔ اللہ کے ارشاد: وَمِنْ وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ کے بارے میں حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اس سے مراد سانسوں کو روکنا ہے۔

مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ۖ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ ۖ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ۝ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ۝

”ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا ہے ایسی ہے کہ ان کے اعمال راکھ کا ڈھیر ہیں جسے تند ہوا تیزی سے اڑا لے گی سخت آندھی کے دن، نہ حاصل کریں گے ان اعمال سے جو انہوں نے کمائے تھے کوئی فائدہ یہ (اعمال کا اکارت جانا ہی) بہت بڑی گمراہی ہے۔ کیا تم نے ملاحظہ نہیں کیا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے

آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ اگر وہ چاہے تو سب ہلاک کر دے اور لے آئے کوئی نئی مخلوق اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل نہیں"۔

قولہ تعالیٰ: مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ، مثل کے رفع میں نحویوں کا اختلاف ہے۔ سیبویہ کے نزدیک یہ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے جب کہ خبر مضمر ہوگی۔ تقدیر عبارت یہ ہے وفیما یتلی علیکم او یقص مثل الذین کفروا بربھم پھر نئے سرے سے کلام فرمایا اور فرمایا: اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ یعنی راکھ کے ڈھیر کی طرح۔ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ زجاج نے کہا: تقدیر عبارت ہوگی مثل الذین کفروا فیما یتلی علیکم أعمالھم کرماد یہی فراء کے نزدیک بھی ہے۔ اس صورت میں مثل مدلغی ہوگا اصل کلام یہ ہوگا: والذین کفروا بربھم أعمالھم کرماد انہیں سے مضاف کے حذف کی صورت بھی مروی ہے یعنی مثل أعمال الذین کفروا بربھم کرماد پہلی صورت کو ان سے مہدوی نے ذکر کیا ہے اور دوسری کو قشیری اور ثعلبی نے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ مبتدا ہو جیسے صفة فلان أسمر تو مثل بمعنی صفت ہو۔ اور کلام میں اَعْمَالُهُمْ کو الذین سے بدل اشتمال بناتے ہوئے مجرور پڑھنا بھی صحیح ہوگا اور یہ وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ کے ارشاد کے ساتھ متصل ہوگا جب کہ معنی یہ ہوگا کہ ان کے اعمال ضائع ہیں مقبول نہیں ہیں۔

اور رماد کسی چیز کے جلنے کے بعد جو باقی بچ جانے والا حصہ ہوتا ہے اسے کہتے ہیں، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے اعمال کے اڑ جانے کو بطور تمثیل بیان فرمایا ہے کہ یہ اسی طرح ہے جس طرح سخت آندھی والے دن تیز ہوا راکھ کو اڑا کر لے جاتی ہے۔ العصف ہوا کی تیزی کو کہتے ہیں۔ ان کی یہ صورتحال اس وجہ سے ہوگی کہ انہوں نے اپنے اعمال میں اللہ کے علاوہ کئی اور لوگوں کو شریک کیا۔ یوم کی عصف کے ساتھ صفت لانے کے بارے میں تین اقوال ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ عصف اگرچہ ہوا کی صفت ہے مگر چونکہ ہوا دن میں ہوتی ہے اس لیے اسے دن کی صفت کے طور پر ذکر کرنا صحیح ہوگا اور یوم عاصف کہا جائے گا جس طرح مثلا دن میں سردی اور گرمی کے ہونے کی وجہ سے یوم بارد اور یوم حار کہنا صحیح ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ سے مراد ہوا ہی ہوگی کیونکہ جملہ کے آغاز میں ہوا کا ذکر کر دیا گیا ہے اس لیے یہاں اس کو حذف کر دیا جیسے شاعر کا شعر ہے:

إذا جاءَ يومٌ مظلمُ الشمسِ كاسِفٌ

یہاں مراد کاسف الشمس ہے مگر شمس کا ذکر پہلے ہو جانے کی وجہ سے اسے حذف کر دیا گیا ہے۔ یہ دونوں صورتیں ہروی نے ذکر کی ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ الریح کی صفت ہے۔ اس کا اعراب موصوف کے مطابق اس لیے نہیں ہوگا کیونکہ جب یوم کے بعد آئے گا تو اعراب بھی اس کے مطابق ہوگا جیسے حُجْرُ ضَبٍّ خَرِبٍ کہا جاتا ہے۔

یہاں خراب جحر کی صفت ہے مگر ضب کے بعد آنے کی وجہ سے اس کے تابع ہے، اس کو ثعلبی اور ماوردی نے ذکر کیا ہے اور ابن اسحاق اور ابراہیم بن ابی بکر نے فی یومِ عاصفٍ پڑھا ہے۔ لَا يَقْدِرُوْنَ یعنی کفار مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ اس سے مراد آخرت ہے، یعنی کفر کی وجہ سے ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے اس لیے دنیا میں انہوں نے جو نیک عمل کیا ہوگا آخرت میں

اس کا ثواب حاصل نہیں کر سکیں گے۔ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ یعنی بہت بڑا خسارہ موت کی وجہ سے۔ اس کے استدراک کے فوت ہو جانے کے سبب اللہ تعالیٰ نے اس کو کبیر اور بعید بنا دیا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ یہاں رؤیت سے مراد رؤیت قلبی ہے، کیونکہ معنی یہ ہے کہ کیا تیرے علم کی انتہا اس بات پر نہیں ہوئی۔ حمزہ اور کسائی نے خالق السموات والارض پڑھا ہے اور بِالْحَقِّ کا معنی یہ ہوگا کہ تا کہ آسمانوں اور زمین کے ذریعے اس کی قدرت پر استدلال کیا جا سکے۔ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ یعنی اے لوگو! وہ جس طرح اشیاء کو پیدا کرنے پر قادر ہے اسی طرح ان کو فنا کرنے پر بھی قادر ہے، لہٰذا تم اس کی نافرمانی نہ کرو، اگر تم اس کی نافرمانی کرو گے تو وہ تمہیں ہلاک کر دے گا۔ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ جو تم سے زیادہ فضیلت والے اور تابعدار ہوں گے، کیونکہ اگر وہ بھی پہلے لوگوں کی طرح ہوں تو پھر تو تبدیلی کا کوئی فائدہ نہیں۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ عزیز سے مراد مشکل اور متعذر ہے۔

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾

"اور (روز حشر) اللہ تعالیٰ کے سامنے (سب چھوٹے بڑے) حاضر ہوں گے تو کہیں گے کمزور (پیروکار) ان (سرداروں) سے جو متکبر تھے (اے سردارو!) ہم تو (ساری عمر) تمہارے فرمانبردار رہے پس کیا (آج) تم ہمیں بچا سکتے ہو عذاب الٰہی سے، وہ کہیں گے: اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم بھی تمہاری رہنمائی کرتے۔ یکساں ہے ہمارے لیے خواہ ہم گھبرائیں یا صبر کریں۔ ہمارے لیے (آج) کوئی راہ فرار نہیں ہے اور شیطان کہے گا جب (سب کی قسمت کا) فیصلہ ہو چکے گا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ وعدہ سچا تھا۔ اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا پس میں نے تم سے وعدہ خلافی کی اور نہیں تھا میرا تم پر کچھ زور مگر یہ کہ میں نے تم کو (کفر) کی دعوت دی اور تم نے (فوراً) قبول کر لی میری دعوت، سو تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو نہ میں (آج) تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو، میں انکار کرتا ہوں اس امر سے کہ تم نے مجھے شریک بنایا اس سے پہلے، بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے"۔

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا یعنی قیامت کے دن اپنی قبروں سے ظاہر ہوں گے۔ البروز کا معنی ظہور ہوتا ہے۔ اور براز کھلی جگہ کو کہتے ہیں کیونکہ وہ ظاہر ہوتی ہے، اسی سے لوگوں کے سامنے آنے والی عورت کو امراۃ برزۃ کہا جاتا ہے۔ برزوا کا معنی ہوگا کہ وہ

اپنی قبروں سے ظاہر ہوئے۔ فعل ماضی ہے مگر معنی مضارع کا ہے اور وَ خَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ کے ساتھ یہ متصل ہے، یعنی جب رسولوں نے فتح کی التجا کی تو قریب ہے کہ وہ انہیں ہلاک کر دے گا، پھر روز حشر اٹھائے گا اور سب کے سب اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوں گے، کوئی چھپانے والا انہیں اللہ سے نہیں چھپا سکے گا۔ لِلّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ کے انہیں ظاہر کرنے کے حکم کی وجہ سے فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا ضعفاء سے پیروکار مراد ہیں۔ لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا ان سے مراد قیادت کرنے والے ہیں۔ اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا، متبع مصدر بھی ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں تقدیر عبارت ذوی تبع ہوگا۔ اور یہ تابع کی جمع بھی ہوسکتی ہے جیسے حارس اور حرس، خادم اور خدم، راصد اور رصد اور باقر اور بقر۔ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا یعنی ہمیں دور کر سکتے ہو۔

مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ یعنی شیئا اور من صلہ ہے جب کوئی آدمی کسی سے اذیت کو دور کرے تو اغنی عنہ کہا جاتا ہے اور جب کوئی کسی تک نفع پہنچا دے تو أغناہ کہا جاتا ہے۔ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ یعنی اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کی ہدایت دیتا تو ہم بھی اس کی طرف رہنمائی کرتے۔ ایک قول یہ ہے: اگر اللہ تعالیٰ جنت کے راستے کی طرف ہماری رہنمائی کرتا تو ہم اس کی طرف تمہاری رہنمائی کرتے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اگر اللہ ہمیں عذاب سے نجات دیتا تو ہم اس سے تمہیں نجات دلاتے۔ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر اَجَزِعْنَآ ہے یعنی سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ، مَّحِيْصٍ سے مراد بھاگنے کی جگہ اور پناہ گاہ ہے۔ یہ مصدر کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے اور اسم کے معنی میں بھی۔ جب کوئی فرار ہو جائے اور بھاگ جائے تو حاصَ فلانٌ عن کذا کہا جاتا ہے۔ یہ حاصَ يَحِيصُ حَيْصًا وحُيُوصًا وحَيَصَانًا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ ہمارے سامنے کوئی ایسی صورت نہیں جس کے ذریعے ہم دوزخ سے دور ہو جائیں۔

نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''دوزخیوں پر جب عذاب کی شدت ہوگی تو وہ کہیں گے کہ آؤ ہم صبر کریں تو پانچ سو سال وہ صبر کریں گے جب وہ دیکھیں گے صبر نے تو انہیں کوئی فائدہ نہیں دیا تو کہیں گے آؤ ہم جزع فزع کریں تو پانچ سو سال تک وہ جزع وفزع اور چیخ وپکار کریں گے، جب دیکھیں گے کہ اس نے بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں دیا تو اس وقت کہیں گے: سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ یکساں ہے ہمارے لیے خواہ ہم گھبرائیں یا صبر کریں ہمارے لیے (آج) کوئی راہ فرار نہیں۔

محمد بن کعب قرظی نے کہا: ہمیں بتایا گیا ہے کہ دوزخی ایک دوسرے کو کہیں گے: اے وہ لوگو! اللہ نے تم پر عذاب اور مصیبت نازل کی ہے جس کو تم ملاحظہ کر رہے ہو آؤ ہم صبر کریں، شاید صبر ہمیں فائدہ دے جس طرح اہل طاعت نے اللہ کی اطاعت پر صبر کیا تو صبر نے انہیں نفع دیا، تو تمام دوزخیوں کا صبر پر اتفاق ہو جائے گا سو انہوں نے صبر کیا، تو ان کا صبر لمبا ہو گیا تو انہوں نے جزع فزع کی، پھر پکارے: سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ تو اس وقت شیطان اٹھے گا کہے گا: اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وہ کہے گا: میں تمہیں کسی چیز سے نہیں بچا سکتا۔ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۭ اِنِّىْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ۔'' یہ طویل حدیث ہے جس کو مکمل طور پر ہم (قرطبی) نے کتاب التذکرہ میں لکھ دیا ہے۔

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ حضرت حسن نے کہا (1): قیامت کے روز شیطان آگ کے منبر پر جہنم میں خطاب کرتا ہوا کھڑا ہوگا جس کو ساری مخلوق سنے گی۔ اور لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ کا معنی یہ ہے کہ جنتیوں کو جنت حاصل ہو جائے گی اور دوزخیوں کو دوزخ جس طرح کہ سورۂ مریم میں اس کا بیان آئے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ اس سے مراد بعث بعد الموت، جنت، دوزخ، اطاعت گزار کا ثواب اور نافرمانی کی سزا کا وعدہ ہے پس اس نے اپنے وعدے کو تمہارے سامنے سچ کر دکھایا ہے، اور میں نے تمہارے ساتھ وعدہ کیا کہ بعث بعد الموت نہیں ہوگا، نہ جنت ہوگی، نہ دوزخ، نہ ثواب اور نہ عقاب ہوگا سو میں نے تم سے وعدہ خلافی کی۔

ابن مبارک نے حضرت عقبہ بن عامر کی حدیث شفاعت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے (2) کہ تمہاری رہنمائی نبی امی کی طرف کرتا ہوں۔ پس لوگ میرے پاس آئیں گے اللہ تعالیٰ مجھے اذن فرمائے گا اور میں کھڑا ہوں گا اور میری مجلس سے ایسی خوشبو پھیلے گی جسے آج تک کسی نے نہ سونگھا ہوگا تو میں اپنے رب کے حضور میں آکر اپنی امت کی شفاعت کروں گا اور اللہ تعالیٰ میری شفاعت قبول فرمائے گا اور میرے گیسوئے عنبریں سے لے کر میرے قدموں کے ناخنوں تک نور ہی نور ہوگا یہ منظر دیکھ کر کافر کہیں گے کہ مومنوں کو تو شفیع المذنبین مل گیا اب ہماری شفاعت کون کرے گا؟ پھر کہیں گے کہ شیطان کے پاس چلو اسی نے ہم کو گمراہ کیا تھا وہی ہماری شفاعت کرے گا، سب اس کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اہل ایمان کو تو ان کا شفیع مل گیا اب تو ہماری شفاعت کر کیونکہ تو نے ہی ہمیں گمراہ کیا تھا۔ اس کی مجلس سے ناقابل برداشت بدبو اٹھے گی وہ رونے چلانے لگیں گے تو شیطان انہیں یہ جواب دے گا: اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ الآیۃ، وَعْدَ الْحَقِّ یہ ایک چیز کی خود اسی کی طرف اضافت ہے، جیسے مسجد الجامع وغیرہ۔

فراء نے کہا: بصریوں نے کہا ہے (اصل عبارت یوں ہے) وعدکم وعد الیوم الحق یا وعدکم وعد الوعد الحق فصدقکم تو مصدر کو دلالت حال کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ، سلطان سے مراد حجت اور بیان ہے یعنی جو وعدہ میں نے دنیا میں تمہارے ساتھ کیا اور اسے مزین کر کے پیش کیا میں نے تمہارے لیے اس کی حجت اور بیان کو ظاہر نہیں کیا تھا۔ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ یعنی میں نے تمہیں گمراہ کیا اور تم نے میری پیروی اختیار کر لی۔ اور ایک قول یہ ہے: میں نے اپنی دعوت کی طرف تمہیں مجبور نہیں کیا تھا۔ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ یہ استثناء منقطع ہے مراد یہ ہے کہ لیکن میں نے وسوسے کے ذریعے تمہیں دعوت دی اور تم نے خود اپنی مرضی اور اختیار سے اسے قبول کر لیا۔ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ سو تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ سے مراد یہ ہے کہ مجھے تمہارے دلوں اور ایمان کی جگہ پر زور حاصل نہیں تھا لیکن میں نے تمہیں دعوت دی اور تم نے فوراً میری دعوت کو قبول کر لیا اور یہ اس صورت میں ہے کہ اس سے گناہگار مومنین اور منکر کافروں کو خطاب کیا گیا ہو، مگر اس میں نظر ہے کیونکہ اللہ کا ارشاد: لما قضی الامر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ شیطان نے صرف کفار کو خطاب کیا نہ کہ گناہگار مومنوں کو۔ واللہ اعلم

1۔ تفسیر ماوردی، سورۂ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 130
2۔ معالم التنزیل، سورۂ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 375

فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَ لُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ یعنی جب تم بغیر دلیل کے میرے پاس آئے ہو تو مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ یعنی میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔ وَ مَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ نہ تم میری مدد کر سکتے ہو۔ صارخ اور مستصرخ وہ ہوتا جو مدد طلب کرتا ہے اور مصرخ مددگار کو کہتے ہیں۔ سلامہ بن جندل نے کہا:

كنا إذا ما آتانا صارخٌ فزِعٌ كان الصُّراخُ له قَرْعُ الظُّنْبُوبِ(1)

شعر میں صارخ سے مراد مدد و معاونت کا طلب گار ہے۔

امیہ بن ابی صلت نے کہا:

ولا تجزعوا إنّي لكم غيرُ مُصرِخٍ وليس لكم عندي غَناءٌ ولانَصرُ(2)

یہاں مصرخ سے مراد مدد کرنے والا ہے۔

صرخ فلان کہا جاتا ہے یعنی اس نے مدد طلب کی۔ یہ صَرَخَ يَصْرُخُ صَرْخًا و صُرَاخًا و صَرْخَةً ہے اور اصطرخ بمعنی صرخ ہے اور التصرخ میں تصنع اور تکلف ہے اور المصرخ مددگار جب کے المستصرخ مدد طلب کرنے والا ہے، اسی سے یہ جملہ بھی ہے کہ استصرخنی فأصرخته یعنی اس نے مجھ سے مدد طلب کی پس میں نے اس کی مدد کی اور الصریخ مدد طلب کرنے والے کی آواز ہے اور الصریخ مدد طلب کرنے والا بھی ہوتا ہے، اور اس سے مراد مدد کرنے والا اور مدد طلب کرنے والا دونوں ہیں، یہ اضداد میں سے ہے، یہ جوہری کا قول ہے۔ عام قراء کی قرات بمصرخی با کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ جب کہ اعمش اور حمزہ نے بمصرخی با کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کی اصل بمصرخیتین ہے اضافت کی وجہ سے نون حذف ہو گیا اور یا جمع کو یا اضافت میں مدغم کر دیا گیا۔ جس نے اس کو نصب دی اس کی ایک وجہ تضعیف ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جب یا اضافت کا ماقبل ساکن ہو تو اس پر فتحہ ہی آتا ہے جیسے ھوای اور عصای وغیرہ اور اگر ماقبل متحرک ہو تو پھر فتحہ اور اسکان دونوں جائز ہیں جیسے غلامی اور غلامیَ وغیرہ۔ اور جس نے کسرہ دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب دو ساکن مل جائیں اور حرکت کی ضرورت پڑنے تو کسرہ کے ساتھ حرکت دی جاتی ہے کیونکہ یا اخت کسرہ ہے۔

فراء نے کہا: حمزہ کی قراءت اس کی طرف سے پائے جانے والے وہم کی وجہ سے ہے۔ زجاج نے کہا: یہ ردی قراءت ہے اور سوائے ایک ضعیف وجہ کے اس کی کوئی وجہ نہیں۔ قطرب نے کہا: یہ بنی یربوع کی قراءت ہے جن کا طریقہ یہ ہے کہ وہ یا اضافت پر ایک اور یا کا اضافہ کرتے ہیں۔ قشیری نے کہا: جو چیز اس سے مستغنی کرتی ہے وہ تواتر کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثابت ہونا ہے لہٰذا یہ درست نہیں کہ اس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ یہ غلط ہے، قبیح ہے یا ردی ہے، بلکہ یہ قرآن میں فصیح ہے، اور اس میں ایسی صورتیں بھی ہیں جو اس سے بھی زیادہ فصیح ہیں، شاید ان کی مراد یہ ہوگی کہ جو حمزہ کے علاوہ دیگر کی قراءت ہے وہ زیادہ فصیح ہے۔ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ یعنی جو تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مجھے شریک ٹھہرایا ہے میں اس کا انکار کرتا ہوں۔ ما مصدر کے معنی میں ہے۔ ابن جریج نے کہا: میں آج اس بات کا انکار کرتا ہوں جو تم دنیا میں اللہ

1۔ المحرر الوجیز، سورۂ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 334 2۔ تفسیر ماوردی، سورۂ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 131

تعالیٰ کے ساتھ شرک کا دعویٰ کرتے تھے۔

قتادہ نے کہا: کَفَرْتُ بمعنی عصیت ہے یعنی میں نے اللہ کی نافرمانی کی۔ ثوری نے کہا: جو تم نے دنیا میں میری اطاعت کی میں اس کا انکار کرتا ہوں۔ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ان آیات میں قدریہ، معتزلہ، امامیہ اور ان کے پیروکاروں کی تردید ہے۔ ان کے پیروکاروں کی بات پر غور کرو۔ انہوں نے کہا: لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَیْنٰكُمْ اور اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم تمہیں ہدایت دیتے اور شیطان کا قول: اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ بے شک اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ وعدہ سچا تھا۔ ان اقوال کو دیکھو ان میں انہوں نے کیسے اللہ تعالیٰ کی صفات کے سلسلے میں حق کا اعتراف کیا ہے حالانکہ یہ دوزخی ہیں؟ جس طرح قرآن مجید میں ایک اور مقام پر كُلَّمَاۤ اُلْقِیَ فِیْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَاۤ سے لے کر فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ (الملک: 8 تا 11) تک ہے اس میں انہوں نے دوزخ کی سختیوں میں حق کا اعتراف کیا مگر یہ ان کے لیے نفع بخش نہیں ہوگا۔ یہ اعتراف دنیا میں اعتراف کرنے والے کے لیے نفع بخش اور سودمند ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَیِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ (التوبہ: 102) اور دوسرے وہ ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا نیک اور برے اعمال کو ملا جلا دیا اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو قبول کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عسیٰ کا استعمال وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

وَ اُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ۝۲۳

"اور داخل کیا جائے گا ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے باغات میں رواں ہوں گی جن کے نیچے ندیاں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اپنے رب کے حکم سے ان کی دعا وہاں ایک دوسرے کو یہ ہوگی کہ تم سلامت رہو"۔

قولہ تعالیٰ: وَ اُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ، جَنّٰتٍ اس سے مراد فی جنات ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دخول متعدی نہیں جس طرح کہ اس کی نقیض جو کہ خروج ہے وہ متعدی نہیں ہوتی، لہٰذا اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، یہ مہدوی کا قول ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے دوزخیوں کی حالت کے متعلق بیان فرمایا تو اس کے بعد جنتیوں کے حالات کے بارے میں خبر دی ہے۔ جمہور کی قراءت کے متعلق یہ ادخل فعل مجہول ہے۔ جب کہ حضرت حسن بصری نے اسے اُدْخِلُ پڑھا ہے یعنی مضارع کا صیغہ بطور استئناف آیا ہے۔ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ یعنی اسکے حکم سے۔ ایک قول کے مطابق اللہ کی مشیت مراد ہے۔ باذنی کی جگہ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ تعظیم اور تفخیم کے لیے فرمایا ہے۔ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ سورۂ یونس میں یہ گزر چکا ہے۔ والحمدللہ۔

اَلَمْ تَرَ كَیْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَیِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ ۝۲۴ تُؤْتِیْۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِیْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۲۵

''کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ کیسی عمدہ مثال بیان کی ہے اللہ تعالیٰ نے کہ کلمہ طیبہ ایک پاکیزہ درخت کی مانند ہے جس کی جڑیں بڑی مضبوط ہیں اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔ وہ دے رہا ہے اپنا پھل ہر وقت اپنے رب کے حکم سے۔ اور بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ مثالیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ (انہیں) خوب ذہن نشین کر لیں''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا جب اللہ تعالیٰ نے کفار کے اعمال کی مثال بیان فرمائی اور وہ ہے كَرَمَادِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ (ابراہیم:18) تو مومنین کے احوال کی مثال بھی ذکر فرما دی۔ پھر اس مثال کی تفسیر بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: كَلِمَةً طَيِّبَةً یعنی کلمة طیبة الثمر ایسا کلمہ جس کا پھل پاکیزہ ہے ثمر کو اس لیے حذف کر دیا گیا کہ کلام اس پر دلالت کر رہا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کلمہ طیبہ سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے، جب کہ شجرہ طیبہ سے مراد مومن ہے (1)۔

مجاہد اور ابن جریج نے کہا: کلمہ طیبہ سے مراد ایمان ہے۔ عطیہ عوفی اور ربیع بن انس نے کہا: یہ بذات خود مومن ہے۔ مجاہد اور عکرمہ کا قول ہے کہ شجرہ سے مراد کھجور کا درخت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ مومن کے دل میں کلمے کی اصل جو کہ ایمان ہے بڑھوتری میں اللہ تعالیٰ نے اسے کھجور کے درخت کے ساتھ تشبیہ دی ہو، اور آسمان میں بندے کے عمل کی رفعت کو کھجور کے درخت کی ٹہنیوں کی رفعت کے ساتھ تشبیہ دی جب کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے ثواب کو پھل کے ساتھ تشبیہ دے دی ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''بے شک ایمان کی مثال ثابت درخت کی ہے ایمان اس کی رگیں ہیں، نماز اس کی اصل ہے، زکوٰۃ اس کی فرع، روزے اس کی ٹہنیاں، اللہ کے راستے میں تکلیف اٹھانا اس کی بڑھوتری، حسن اخلاق اس کے پتے اور اللہ کے محارم سے رکنا اس کا پھل ہے''۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ معنی یہ ہو: کھجور کے درخت کی جڑیں زمین میں ثابت ہیں یعنی اس کی جڑیں زمین سے پانی پیتی ہیں اور آسمان اوپر سے اسے سیراب کرتا ہے، لہٰذا یہ پاکیزہ بڑھنے والا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث امام ترمذی نے روایت کی ہے کہ حضرت انس نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک طشت لایا گیا جس میں تر کھجوریں تھیں، تو آپ نے فرمایا: مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا آپ نے فرمایا: یہ کھجور کا درخت ہے''۔ مَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ آپ نے فرمایا: ''یہ تمبہ ہے'' (2)۔ ترمذی نے حضرت انس سے ان کا قول روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ زیادہ صحیح ہے۔ دار قطنی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: رسول

1۔ تفسیر ماوردی، سورۂ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 132
2۔ جامع ترمذی، باب من سورة ابراہیم، حدیث نمبر 3044، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ کی تلاوت فرمائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہے''۔ تو میرے دل میں یہ بات آئی کہ اس سے مراد کھجور کا درخت ہے۔ سہیلی نے کہا: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے جو روایت ہے کہ اس سے مراد ہندی اخروٹ ہے یہ صحیح نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث صحیح مروی ہے کہ ''درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور یہی مومن کی مثال ہے مجھے بتاؤ یہ کون سا درخت ہے؟ پھر فرمایا: یہ کھجور کا درخت ہے''(1)۔

امام مالک نے مؤطا میں اس کو بیان کیا ہے۔ امام مالک کی روایت ابن قاسم وغیرہ سے ہے سوائے یحیٰی کے انہوں نے یحیٰی کو اپنی روایت سے ساقط کر دیا ہے۔ اہل صحیح نے بھی اس کی تخریج کی ہے اور اس میں حارث بن اسامہ کا اضافہ کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اور یہ کھجور کا درخت ہے اس کے پتے نہیں گرتے اور اسی طرح مومن بھی ہے کہ اس کی دعوت نہیں گرتی''۔ اس ارشاد نے حدیث کے معنی اور مماثلت کو بیان کر دیا ہے۔

میں (قرطبی) نے کہا: غزنوی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا ہے کہ ''مومن کی مثال (2) کھجور کے درخت کی طرح ہے اگر آپ اس کی دوستی اختیار کریں گے تو یہ تمہیں فائدہ دے گی، اگر آپ اس کے پاس بیٹھیں گے تو یہ تیرے لیے نفع بخش ہوگا اور اگر آپ اس کے ساتھ مشاورت کریں گے تو بھی یہ تیرے لیے نفع بخش ہوگا جس طرح کھجور کا درخت ہے کہ ان میں سے ہر ایک چیز کے حوالے سے اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم اپنی پھوپھی سے کھاؤ''(3)۔ اس سے آپ کی مراد کھجور کا درخت ہے جس کو حضرت آدم علیہ السلام کی بقیہ مٹی سے پیدا کیا گیا، اور اسی طرح یہ اپنے سر کے ساتھ باقی رہتا ہے، اپنے دل کے ذریعے زندگی پاتا ہے اور اس کا پھل مذکر و مونث کے امتزاج سے ہوتا ہے۔ ایک قول یہ ہے: درختوں میں سے جب یہ انسان کے زیادہ مشابہ ہے تو اسی کے ذریعے تشبیہ بیان کر دی گئی، اور اس کی مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ تمام درخت ایسے ہیں کہ اگر ان کے سروں کو کاٹ دیا جائے تو ان کی ٹہنیاں ہر طرف سے پہلے کی نسبت زیادہ گھنی ہو کر اگتی ہیں جب کہ کھجور کے درخت کے سرے کو اگر کاٹ دیا جائے تو وہ خشک ہو جاتا ہے اور اصلاً ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ التقاح میں انسان اور تمام حیوانوں کے مشابہہ ہے کیونکہ بغیر تلقیح کے یہ پھل لیتا ہی نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خیر المال سکة مابورة و مهرة مامورة بہترین مال وہ ہے جو بڑھنے والا اور نتیجہ خیز ہو۔ اور الابار سے مراد تلقیح ہے اس کا بیان سورۃ الحجر میں آئے گا۔ اور چونکہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی بقیہ مٹی سے پیدا کیا گیا ہے کہا جاتا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا گیا تو مٹی کا ایک ٹکڑا بچ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے اس کی تصویر کشی کی اور جنت عدن میں اس کو گاڑ دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اکرموا عمتکم اپنی پھوپھی کی عزت کرو(4)۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہماری پھوپھی کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کھجور کا درخت''۔

1۔ کنز العمال، جلد 12، صفحہ 338، حدیث 35299
2۔ ایضاً فی صفات المؤمنین، جلد 1، صفحہ 147، حدیث 726
3۔ ایضاً
4۔ معالم التنزیل، جلد 3، صفحہ 377

تُؤْتِیْۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِیْنٍۭ ربیع نے کہا: كُلَّ حِیْنٍ سے مراد صبح اور شام ہے، اسی طرح مومن کا عمل دن کے آغاز اور اختتام پر اوپر چڑھتا ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اور تُؤْتِیْۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِیْنٍۭ کے متعلق بھی آپ سے مروی ہے آپ نے فرمایا: یہ ہند کا درخت ہے جس کا پھل ختم نہیں ہوتا، ہر ماہ اس پر پھل لگتا ہے، ہر وقت اللہ کے لیے کیے گئے مومنین کے عمل کو اللہ نے کھجور کے اس درخت کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو مختلف اوقات میں پھل دیتا ہے۔ ضحاک نے کہا: موسم گرما ہو یا سرما، رات، دن کی ہر ساعت تمام اوقات میں کھایا جاتا ہے، پس اسی طرح تمام اوقات میں مومن بھی خیر اور بھلائی سے خالی نہیں ہوتا۔ نحاس نے کہا: یہ تمام اقوال قریب المعنی ہیں ان میں کوئی تضاد نہیں، کیونکہ حین تمام اہل لغت کے نزدیک وقت کے معنی میں ہے اس کا اطلاق قلیل و کثیر دونوں زمانوں پر ہوتا ہے البتہ ان میں سے کوئی ایک ان سے علیحدہ ہوا ہے۔ اصمعی نے نابغہ کا شعر پڑھا ہے:

تَنَاذَرَها الرَّاقُونَ من سُوءِ سُمِّها　تُطَلِّقُهُ حِينًا و حينًا تُرَاجِعُ(1)

پس یہ شعر بھی اسی بات کو واضح کرتا ہے کہ حین بمعنی وقت ہے، پس ایمان مومن کے دل میں ثابت ہے اور اس کا عمل، قول اور تسبیح بلند ہے اور آسمانوں کی طرف یوں اٹھتی ہیں جس طرح کھجور کے درخت کی ٹہنیاں، اور ایمان کی برکت اور ثواب میں جو وہ کماتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے سال کے مختلف اوقات میں کھجور کا پھل حاصل ہوتا ہے رطب، بسر، بلح، زہو، تمر اور طلع کی صورت میں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک روایت میں ہے کہ شجرہ طیبہ جنت کا ایک درخت ہے جو ہر وقت پھل دیتا ہے، مثلاً، ضرب کا مفعول ہے اور کلمۃ اس سے بدل ہے جب کہ کشجرۃ میں کاف کلمۃ سے حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے: کلمة طيبة مشبهة بشجرة طيبة کہ کلمہ طیبہ شجرہ طیبہ کے مشابہ ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ تُؤْتِیْۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِیْنٍۭ جب درخت ہر سال ایک مرتبہ اپنا پھل دیتے ہیں، تو یہ حین کے حکم کا بیان ہو گا، لہٰذا ہم نے کہا: جس نے قسم اٹھائی کہ الا یکلم فلانا حینا کہ وہ فلاں کے ساتھ ایک حین تک گفتگو نہیں کرے گا تو اس میں حین سے مراد ایک سال ہو گا۔ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر حین کا لفظ آیا ہے جس سے مراد اکثر حصہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ (الدہر: 1)

"التفسیر" میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد چالیس سال ہیں۔ عکرمہ نے حکایت بیان کی ہے کہ ایک آدمی نے کہا: ان فعلت كذا و كذا إلى حين فغلامه حر وہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے پاس آیا اور آپ سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ نے مجھ سے اس کے متعلق پوچھا تو میں نے کہا کہ حین میں سے ایسا حین بھی ہے جس کا ادراک نہیں ہو سکتا، جیسے اللہ کا ارشاد: وَ اِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَ مَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ (الانبیاء) میرا خیال ہے کہ اس سے مراد کھجور توڑنے سے لے کر اس کو اٹھانے تک کا زمانہ ہے تو اس قول نے آپ کو تعجب میں ڈال دیا۔

یہ حضرت ابو حنیفہ کا ارشاد ہے کہ حین سے مراد چھ ماہ ہیں آپ نے عکرمہ وغیرہ کی اتباع میں یہ بات کہی ہے۔ سورۃ البقرہ میں حین کے متعلق علماء کے مختلف اقوال تفصیلاً گزر چکے ہیں۔ الحمد للہ۔

1۔ تفسیر ماوردی، سورۃ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 132

وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ یعنی لوگوں کے لیے تشبیہات بیان کرتا ہے۔ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ یعنی وہ نصیحت اور عبرت حاصل کریں۔ یہ بھی پہلے گزر چکا ہے۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ اِجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝۲۶

''اور مثال ناپاک کلمہ کی ایسی ہے جیسے ناپاک درخت ہو جسے اکھاڑ لیا جائے زمین کے اوپر سے (اور) اسے کچھ قرار نہ ہو''۔

قولہ تعالیٰ: وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةٍ، كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ سے مراد کلمہ کفر ہے۔ اور ایک قول کے مطابق اس سے مراد بذات خود کافر ہے۔ اور شجرہ خبیثہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق ایلوا ہے، یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد کا قول بھی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ ایسا درخت ہے جو زمین پر پیدا ہی نہیں ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی ایک قول کے مطابق اس کا معنی تھوم کا پودا بھی بیان ہوا ہے۔ ایک قول یہ ہے: اس سے مراد کھنبی یا کائی ہے۔ ایک قول کے مطابق: یہ کشوث ہے اور کشوث ایسا درخت ہے جس کے نہ پتے ہوتے ہیں اور نہ ہی زمین میں اس کی کوئی جڑ ہوتی ہے۔ شاعر نے کہا:

وهُمْ كَشُوثٌ فلا أصلٌ ولا ورقٌ (1)

وہ کشوث ہیں نہ (ان کی) کوئی جڑ ہے اور نہ پتے

اِجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ اس کو اپنی جڑوں سے اکھیڑ لیا گیا۔ اسی سے لقیط کا یہ شعر ہے:

هو الجلاءُ الذی يَجْتَثُّ أَصْلَكُم فمن رأى مثلَ ذا يوما ومن سَمِعَا (2)

مؤرج نے کہا: اسے اس کے جثہ سے پکڑ لیا گیا اور اس سے مراد اس کی ذات ہے اور جثہ انسانی ذات ہے چاہے وہ بیٹھا ہوا ہو یا کھڑا ہو۔ اور جثہ کا معنی ہے اس نے اسے اکھیڑ دیا جب کہ اجتثہ کا معنی ہے کہ وہ زمین کے اوپر سے اکھڑ گیا یعنی اس کا ایسا مضبوط تنا نہیں ہے جو زمین سے اپنی جڑوں کے ذریعے تری حاصل کرتا ہو۔

مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ یعنی زمین میں کوئی جڑ باقی نہیں رہے گی۔ ایک قول کے مطابق قرار کا معنی ثبات ہے، پس اسی طرح کافر کے لیے نہ کوئی حجت ہوگی، نہ ثبات اور نہ اس میں کوئی بھلائی ہے، اور نہ اس کا کوئی پاکیزہ قول بلند ہوگا اور نہ ہی نیک عمل۔ معاویہ بن صالح نے علی بن ابی طلحہ سے اللہ کے ارشاد ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً کے بارے میں روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: یہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ شجرہ طیبہ، مومن ہے۔ اَصْلُهَا ثَابِتٌ سے مراد یہ ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مومن کے دل میں ثابت ہے۔ اور وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ سے مراد شرک جب کہ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةٍ سے مراد مشرک ہے۔ اِجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ سے مراد یہ ہے کہ مشرک کی کوئی اصل ہی نہیں ہے کہ جس کی بنیاد پر وہ عمل کرے۔ ایک قول کے مطابق: ضرب المثل کا تعلق ایمان کی طرف دعوت اور شرک کی طرف دعوت کے ساتھ ہے، کیونکہ کلمہ سے قول اور دعوت الی

1۔ تفسیر کشاف، سورۂ ابراہیم، جلد 2، صفحہ 553
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 3، صفحہ 135

الشی مفہوم ہوتا ہے۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَ يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ۫ وَ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾

''ثابت قدم رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس پختہ قول (کی برکت) سے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور بھٹکا دیتا ہے اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو اور کرتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے''۔

قولہ تعالیٰ: يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا(1): قول ثابت لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ نسائی نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا آپ نے فرمایا: يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ کہا جائے گا: تیرا رب کون ہے؟ بندہ کہے گا: میرا رب اللہ اور میرا دین دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے، پس یہی اللہ کا ارشاد: يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ہے۔

میں (قرطبی) نے کہا: امام مسلم کے بعض طرق میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے موقوفاً اسی طرح مروی ہے کہ یہ آپ کا قول ہے جب کہ اس کے بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ یہ مرفوع ہے جس طرح صحیح مسلم، نسائی، ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت براء نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ اور امام بخاری نے بھی اس سند کے ساتھ ذکر کیا ہے حدثنا جعفر بن عمر قال حدثنا شعبة عن علقمة بن مرثد عن سعد بن عبيدة عن البراء بن عازب عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا: ''جب مومن کو اس کی قبر میں بٹھایا جائے گا تو اس کے پاس آنے والا آئے گا پھر وہ اس بات کی گواہی دے گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں پس یہی اللہ کا ارشاد: يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ہے''(2)۔

ہم (قرطبی) نے اس باب کو کتاب ''التذکرہ'' میں بیان کر دیا ہے اور یہ بھی ہم نے بیان کیا ہے کہ کس کو قبر میں آزمایا جائے گا اور اس سے سوال پوچھے جائیں گے؟ جو اس سے آگاہی چاہتا ہے وہ دوبارہ غور و فکر کرے۔ حضرت سہل بن عمار نے کہا: میں نے یزید بن ہارون کو ان کی موت کے بعد خواب میں دیکھا۔ میں نے انہیں کہا: اللہ نے تیرے ساتھ کیا (سلوک) کیا؟ اس نے کہا: میری قبر میں میرے پاس دو سخت قسم کے فرشتے آئے۔ انہوں نے کہا: تیرا دین کیا ہے، تیرا رب کون ہے، اور تیرا نبی کون ہے؟ میں نے اپنی سفید داڑھی کو پکڑا اور کہا: کیا مجھ جیسے آدمی کو یہ کہا جا سکتا ہے حالانکہ میں نے اسی سال تک تمہارے ان سوالوں کے جواب لوگوں کو سکھائے؟ وہ چلے گئے اور انہوں نے کہا: کیا تو نے حریز بن عثمان سے کوئی حدیث لکھی ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ تو انہوں نے کہا: وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض رکھتا تھا تو اللہ نے اسے مبغوض و مردود بنا دیا۔ ایک قول کے مطابق يُثَبِّتُ اللّٰهُ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں قول ثابت پر دوام نصیب فرمائے گا، اسی سے حضرت عبداللہ بن رواحہ کا قول ہے:

1۔ تفسیر کشاف، جلد 2، صفحہ 553

2۔ معالم التنزیل، سورۃ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 378۔ سنن ابی داؤد، باب فی المسألة فی القبر والخ، حدیث نمبر 4125، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
ایضاً سنن ابن ماجہ، باب ذکر القبر والبلی، حدیث نمبر 4258، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

يُثَبِّتُ الله ما آتاكَ من حَسَنٍ تَثْبِيتَ موسى و نَصراً كالذى نُصِرَ(1)

ایک قول یہ ہے: اللہ تعالیٰ ان کی جزا کے طور پر انہیں دارین میں قول ثابت پر ثابت رکھے گا۔ قفال اور ایک جماعت نے کہا: فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا سے مراد فی القبر ہے، کیونکہ بعث بعد الموت تک مردہ دنیا میں ہی ہوتا ہے اور فِي الْاٰخِرَةِ سے مراد عند الحساب، یعنی حساب کا وقت ہے۔ ماوردی نے اسے حضرت براء سے حکایت کیا ہے کہ آپ نے کہا: دنیوی زندگی سے مراد قبر میں سوال و جواب ہیں اور آخرت سے مراد قیامت کے سوال و جواب ہیں۔

وَ يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ یعنی ان کی قبروں میں ان کی حجتوں سے ایسے ہی بھٹکا دے گا جس طرح دنیا میں اس نے انہیں ان کے کفر کے سبب بھٹکایا پس وہ انہیں حق کے کلمہ کی تلقین نہیں کرے گا، جب ان کی قبروں میں ان سے پوچھا جائے گا تو وہ کہیں گے: ہم نہیں جانتے، وہ کہے گا: نہ تو نے جانا اور نہ پڑھا، اس وقت روایات کے مطابق انہیں لوہے کے چابک کے ساتھ مارا جائے گا۔

ہم (قرطبی) نے اسے کتاب ''التذکرہ میں ذکر کیا ہے''۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اللہ انہیں مہلت دے گا یہاں تک کہ دنیا میں وہ گمراہی میں بہت آگے چلے جائیں گے۔ وَ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ یعنی کسی قوم کو عذاب دینے اور گمراہ کرنے کے حوالے سے جس طرح وہ چاہتا ہے کرتا ہے۔ ایک قول یہ ہے: اس آیت کے نزول کا سبب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے کہ جب آپ نے منکر نکیر کے سوالات اور میت کے جواب کے متعلق بتایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا میرے پاس میری عقل ہوگی؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں''۔ آپ نے عرض کیا: کیا اس پر پردہ ڈال دیا جائے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَ بِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾

''کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنہوں نے بدل دیا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ناشکری سے اور اتارا اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر (یعنی) دوزخ میں، جھونکے جائیں گے اس میں اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ اور بنا لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے مدمقابل تاکہ بھٹکا دیں (لوگوں کو) اس کی راہ سے آپ (انہیں) فرمایئے (کچھ وقت) لطف اٹھا لو پھر یقیناً تمہارا انجام آگ کی طرف ہے''۔

قولہ تعالیٰ: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کے بدلے کفر کیا یعنی جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں مبعوث فرمایا تو انہوں نے آپ کی تکذیب کرتے ہوئے کفر اختیار کرلیا، اس سے مراد قریش ہیں اور آیت انہیں کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے۔

ایک قول یہ ہے: یہ آیت ان مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر کے مقام پر

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 3، صفحہ 135

جنگ کی۔ ابوالطفیل نے کہا: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا ہے: یہ وہ قریش ہیں جنہیں بدر والے دن قتل کیا گیا۔ ایک قول یہ ہے: یہ قریش کے بنو مخزوم اور بنو امیہ کے فاجروں کے بارے میں نازل ہوئی۔ جہاں تک بنی امیہ کا تعلق ہے تو انہوں نے ایک وقت تک لطف اٹھایا جب کہ بنی مخزوم کو بدر میں ہلاک کر دیا گیا۔ یہ حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ یہ عرب کے نصرانی جبلہ بن ایہم اور اس کے دوست ہیں کہ جب اس نے تھپڑ مارا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے بھی قصاص لازم کیا، تو اس نے اس بات کو پسند نہ کیا اور عیسائی بنتے ہوئے مرتد ہو گیا اور اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ روم چلا گیا۔ یہ حضرت ابن عباس اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے(1)۔ اور جب روم پہنچا تو پھر شرمندہ ہوا اور یہ اشعار کہے:

تَنَصَّرَتِ الأشرافُ من عارِ لَطْمَةٍ — وما كان فيها لو صَبَرْتُ لها ضَرَرُ

تَكَنَّفَنِي منها لَجَاجٌ و نَخْوَةٌ — وبِعتُ لها العينَ الصحيحة بالعَوَرْ

فياليتنی أرْعَى المَخَاضَ ببلدةٍ — ولم أنكر القول الذی قاله عُمَرُ

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ تمام مشرکین کے متعلق عام حکم ہے(2)۔ وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ یعنی انہیں اتارا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ بدر والے دن مشرکین کی قیادت کرنے والے لوگ ہیں انہوں نے اپنی قوم کو اتارا یعنی جنہوں نے ان کی اتباع کی۔ دَارَ الْبَوَارِ ایک قول کے مطابق ابن زید کے نزدیک اس سے مراد جہنم ہے۔ ایک قول کے مطابق حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور مجاہد کے نزدیک اس سے مراد بدر کا دن ہے اور بوار ہلاکت کو کہتے ہیں اسی سے شاعر کا قول ہے:

فلم أَرَ مثلهُمْ أبطالَ حَرْبٍ — غداةَ الحرب إذْ خِيفَ البَوَارُ (3)

میں نے جنگ کی صبح ان جیسا بہادر نہیں دیکھا جب ہلاکت کا خوف ہو۔

جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا کہ دَارَ الْبَوَارِ سے مراد جہنم ہے۔ اس صورت میں دَارَ الْبَوَارِ پر وقف کرنا جائز نہیں، کیونکہ جہنم دَارَ الْبَوَارِ کی وجہ سے منصوب ہے۔ اگر اسے مرفوع پڑھا جائے تو اس صورت میں ھی مضمر ہوگا یعنی ھی جہنم یا پھر يَصْلَوْنَهَا میں پائی جانے والی ضمیر کی وجہ سے مرفوع ہوگا کیونکہ دَارَ الْبَوَارِ پر وقف کرنا عمدہ بات ہے۔ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۞، قرار سے مراد ٹھکانا ہے۔ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا اس سے مراد بت ہیں جن کی انہوں نے عبادت کی۔ سورۂ بقرہ میں یہ گزر چکا ہے۔ لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ، سبیل سے مراد دین ہے، یعنی تاکہ لوگوں کو اس کے دین سے بھٹکا دیں۔ ابن کثیر اور ابو عمرو نے یا کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اسی طرح سورۃ الحج میں لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ (الحج: 9) اسی طرح سورۂ لقمان اور سورۃ الزمر میں ہے جب کہ باقیوں نے لیضلوا الناس عن سبیله یا کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور جس نے فتح دیا ہے تو اس نے ھم یضلون عن سبیل اللہ لازم پڑھا ہے یعنی ان کا انجام گمراہ کرنا اور گمراہی ہے۔ یہ لام لام عاقبت ہے۔ قُلْ تَمَتَّعُوْا ان کے لیے وعید ہے اور یہ دنیا میں پائی جانے والی لذت کے قلیل ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ ختم ہو جانے والی ہیں۔

1۔ تفسیر ماوردی، سورۂ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 136 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 137

فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ یعنی ان کے لوٹنے کی جگہ اور ان کا ٹھکانہ جہنم کا عذاب ہے۔

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَ لَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾

''آپ فرمایئے میرے بندوں کو جو ایمان لائے ہیں کہ وہ صحیح صحیح ادا کیا کریں نماز اور خرچ کیا کریں اس سے جو ہم نے انہیں رزق دیا ہے پوشیدہ طور پر اور اعلانیہ اس سے بیشتر کہ آجائے وہ دن جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی''۔

قولہ تعالیٰ: قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی اہل مکہ نے اللہ کی نعمت کو کفر کے ساتھ تبدیل کر لیا ہے سو آپ اسے فرمایئے جو ایمان لایا اور جس نے اپنی عبودیت کو ثابت کر دیا ہے کہ يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ یعنی پانچوں نمازیں ادا کریں، یعنی آپ ان کو ارشاد فرمائیں کہ قائم کرو، امر کے ساتھ شرط مقدر ہے، جس طرح آپ کہتے ہیں: اللہ کی اطاعت کر وہ تجھے جنت میں داخل کرے گا، یعنی اگر تو اس کی اطاعت کرے گا تو وہ تجھے جنت میں داخل کرے گا۔ یہ فراء کا قول ہے۔ زجاج نے کہا: يُقِيْمُوا المجزوم ہے اصل میں۔ لیقیموا ہے لام کو ساقط کر دیا گیا ہے کیونکہ قل کی وجہ سے غائب کا صیغہ ہونے کے باوجود امر پر دلالت کرتا ہے یہ احتمال بھی ہے کہ یقیموا کہا جائے اور یہ امر محذوف کا جواب ہو، یعنی قل لهم اقیموا الصلاۃ یقیموا الصلاۃ...... وَ يُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً اس سے مراد زکوۃ ہے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ جمہور نے کہا: سرا سے مراد وہ ہے جو مخفی ہے اور علانیہ سے مراد وہ جو ظاہر ہے۔ قاسم بن یحییٰ نے کہا(1) کہ سر سے مراد نفل اور علانیہ سے مراد فرض (صدقات) ہیں۔ سورۂ بقرہ آیت 271 اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ کے تحت اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَ لَا خِلٰلٌ یہ بھی سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے اور خلال، خلة کی جمع ہے جیسے قلة کی جمع قلال آتی ہے۔ شاعر نے کہا ہے:

فلستُ بمقلي الخِلالِ ولا قالِ(2)

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ دَآىِٕبَيْنِ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ﴿۳۳﴾ وَ اٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾

''اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور اتارا بلندی سے پانی پھر پیدا کیے اس پانی سے پھل تمہارے کھانے کے لیے اور اس نے مسخر کر دیا تمہارے لیے کشتی کو تاکہ وہ چلے سمندر میں اس کے حکم سے

1۔ المحرر الوجیز، سورۂ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 137 2۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 139

اور تابع فرمان کر دیا تمہارے لیے دریاؤں کو۔ اور مسخر کر دیا تمہارے لیے آفتاب و مہتاب کو جو برابر چل رہے ہیں اور مسخر کر دیا تمہارے لیے رات اور دن کو۔ اور عطا فرمایا تمہیں ہر اس چیز سے جس کا تم نے اس سے سوال کیا، اور اگر تم گننا چاہو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو تم ان کا شمار نہیں کر سکتے، بے شک انسان بہت زیادتی کرنے والا، از حد ناشکرا ہے"۔

قولہ تعالیٰ: اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ یعنی بغیر کسی مثال کے اس نے ان کو بنایا اور ایجاد فرمایا۔ وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ یعنی بادلوں سے مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ یعنی درخت سے پھل نکالے۔ رِزْقًا لَّكُمْ تمہارے کھانے کے لیے۔ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ اس کی تشریح سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ یعنی میٹھے دریا مسخر کیے تاکہ تم ان سے پانی پیو، کھیتیوں کو سیراب کرو اور کاشت کاری کرو، اور تمہیں دریا مختلف فوائد کے حصول کے لیے مسخر کیے ہیں۔ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ دَآىِٕبَیْنِ یعنی نباتات وغیرہ میں سے جن کی اصلاح ان کے ذریعے ممکن ہوتی ہے ان کی اصلاح میں اللہ تعالیٰ نے سورج و چاند کو مسخر کر دیا ہے اور الدُّؤب سے مراد عادت جاریہ کے مطابق کام میں کسی چیز کا چلنا اور گزرنا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ دائبین فی السیر اللہ کے امر کے لیے امتثال ہے اور معنی یہ ہے کہ قیامت تک یہ دونوں چلتے رہیں گے ان میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ اس کا یہ معنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ یعنی تاکہ تم رات میں سکون کرو اور دن میں اس کا فضل تلاش کرو جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ (القصص: 73) ہے یعنی اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے رات اور دن بنایا تاکہ تم اس میں سکون کرو اور اس کا فضل تلاش کرو۔

قولہ تعالیٰ: وَ اٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ کلام میں حذف ہے تقدیر عبارت یہ ہے: وأعطاكم من كل مسئول سألتموه شيئا یعنی تمہیں ہر اس چیز سے عطا کیا جس کا تم نے اس سے سوال کیا، یہ اخفش کے نزدیک ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ معنی یہ ہوگا کہ تمہیں ہر اس چیز سے عطا کیا جس کا تم نے اس سے سوال کیا اور ہر اس چیز سے جس کا تم نے سوال نہیں کیا، بعد والے کلام کو حذف کر دیا گیا ہے (یہ معنی اس لیے بھی صحیح ہوگا) کہ سورج، چاند اور بہت سی نعمتیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ابتداء میں عطا فرمائیں ان کے بارے میں ہم نے اس سے سوال نہیں کیا، یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے سَرَابِیْلَ تَقِیْكُمُ الْحَرَّ (النحل: 81) ارشاد فرمایا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ ایک قول کے مطابق من زائدہ ہے، یعنی أتاكم كل ما سألتموه حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک وغیرہ نے وأتاكم من كلٍّ تنوین کے ساتھ پڑھا ہے یہ قراءت حضرت حسن بصری، ضحاک اور حضرت قتادہ سے مروی ہے اور نفی کی صورت میں یہ من كل مالم تسألوه ہوگا یعنی ہر اس چیز سے جس کا تم نے سوال نہیں کیا، جیسے سورج اور چاند وغیرہ۔ ایک قول یہ ہے کہ ما سألتموه، الذی سألتموه ہے یعنی ما بمعنی الذی ہے۔ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ یعنی اللہ کی نعمتوں کو نہ تم گن سکتے ہو اور نہ ہی شمار کرنے کی طاقت رکھتے ہو، اور ان کی کثرت کی وجہ سے ان کا حصر ممکن نہیں جیسے سماعت، بصارت، انسانی شکل و صورت علاوہ ازیں عافیت اور رزق وغیرہ۔ یہ ساری کی ساری نعمتیں اللہ تعالیٰ کی

طرف سے ہیں، پس تم الله کی نعمتوں کو کفر کے ساتھ کیوں تبدیل کرتے ہو؟ اور ان نعمتوں کے ذریعے الله کی اطاعت پر مدد کیوں نہیں طلب کرتے؟ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ، الْاِنْسَانَ لفظ تو جنس پر دلالت کرتا ہے مگر اس کی مراد مخصوص ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد ابو جہل ہے۔ ایک قول یہ ہے: اس سے مراد سارے کفار ہیں۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِيْ وَ بَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَ مَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾

"اور (اے حبیب!) یاد کرو جب عرض کی ابراہیم نے کہ اے میرے رب! بنادے اس شہر کو امن والا اور بچا لے مجھے اور میرے بچوں کو کہ ہم پوجا کرنے لگیں بتوں کی: اے میرے پروردگار! ان بتوں نے تو گمراہ کردیا بہت سے لوگوں کو پس جو کوئی میرے پیچھے چلا تو وہ میرا ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی (تو اس کا معاملہ تیرے سپرد ہے) بے شک تو غفور و رحیم ہے"۔

قولہ تعالیٰ: وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا، هٰذَا الْبَلَدَ سے مراد مکہ ہے سورۂ بقرہ میں یہ گزر چکا ہے۔ وَّ اجْنُبْنِيْ وَ بَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ یعنی مجھے ان (بتوں) کی عبادت سے ایک طرف کردے۔ اور بنی کے قول سے آپ کی مراد آپ کے صلبی بیٹے تھے جن کی تعداد آٹھ تھی، اور ان میں سے کسی ایک نے بھی بتوں کی عبادت نہیں کی۔ اور ایک قول یہ ہے: یہ ہر اس آدمی کے لیے دعا ہے الله تعالیٰ جس کے لیے دعا چاہے۔

جحدری اور عیسیٰ نے واجنبنی الف قطعی کے ساتھ پڑھا ہے معنی دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے، کہا جاتا ہے: جنبت ذالك الأمر، وأجنبته و جنبته إياه، فتجانبه واجتنبه ان کا معنی ہوگا: اس نے اس کو چھوڑ دیا۔ ابراہیم تیمی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصص کے بارے میں کہتے تھے: حضرت خلیل کے بعد کون مطمئن ہوتا ہے جب آپ کہتے ہیں: مجھے بچا لے اور میرے بچوں کو کہ ہم بتوں کی پوجا کریں جس طرح میرے باپ اور قوم نے ان کی پوجا کی۔

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بت چونکہ گمراہی کا سبب تھے اس لیے مجازاً فعل کی اضافت ان کی جانب کردی گئی ہے، ورنہ تو بت جمادات ہیں جو فعل کر ہی نہیں سکتے۔ فَمَنْ تَبِعَنِيْ یعنی توحید (خداوندی کو ماننے) میں جس نے میری پیروی کی۔ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ یعنی وہ میرے دین پر ہے۔ وَ مَنْ عَصَانِيْ یعنی جس نے شرک پر اصرار کیا۔ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ایک قول یہ ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات تب کی تھی جب ابھی الله تعالیٰ نے آپ کو اس بات سے آگاہ نہیں فرمایا تھا کہ الله تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرمائے گا۔ اور ایک قول یہ ہے: تو اس کے لیے غفور اور رحیم ہے جس نے موت سے پہلے اپنی نافرمانی اور گناہ سے توبہ کرلی۔ مقاتل بن حیان نے کہا: وَ مَنْ عَصَانِيْ سے مراد یہ ہے کہ جس نے شرک سے کم معاملات میں میری نافرمانی کی۔

رَبَّنَاۤ اِنِّيْۤ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا

لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْىِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْۤ اِلَیْهِمْ وَ ارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ۝

''اے ہمارے رب! میں نے بسا دیا ہے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں تیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں اے ہمارے رب! یہ اس لیے تا کہ وہ قائم کریں نماز پس کر دے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق و محبت سے ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوں سے تا کہ وہ (تیرا) شکر ادا کریں''۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: عورتوں میں سب سے پہلے پٹی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ماں کی طرف سے باندھی گئی آپ نے اس لیے پٹی باندھی تا کہ حضرت سارہ کو آپ اپنے اثر سے بچا سکیں، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں اور ان کے بیٹے اسماعیل کو لے کر آئے حضرت اسماعیل ابھی دودھ پیتے تھے حتی کہ ان دونوں کو آپ نے زمزم کے اوپر بیت اللہ میں چھوڑ دیا، اس وقت مکہ میں کوئی بھی آباد نہیں تھا، اور نہ ہی پانی تھا، ان دونوں کو وہاں چھوڑا، ایک تھیلا ان کے پاس رکھا جس میں کھجوریں تھیں اور ایک مشکیزہ رکھا جس میں پانی تھا، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس پلٹے ام اسماعیل نے آپ کا پیچھا کیا، عرض کی: اے ابراہیم! آپ کہاں جا رہے ہیں اور ہمیں ایسی وادی میں چھوڑ دیا ہے جہاں نہ کوئی انسان ہے اور نہ ہی کوئی اور چیز؟ آپ مسلسل یہی کہتی رہیں مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوئی توجہ نہ دی، پھر حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ آپ نے کہا: پھر وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ اور واپس لوٹ آئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چلتے رہے یہاں تک کہ جب ثنیہ میں ایسی جگہ پر پہنچے جہاں سے آپ انہیں نہیں دیکھ سکتے تھے، تو وہاں قبلہ کی طرف اپنا منہ کیا اور یہ دعائیں مانگی، اپنے ہاتھوں کو اٹھایا اور عرض کیا: رَبَّنَاۤ اِنِّیْۤ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ سے لے کر یَشْكُرُوْنَ تک۔

حضرت اسماعیل کی ماں حضرت اسماعیل کو دودھ پلاتی رہی اور اس پانی سے پیتی رہی، حتی کہ جب پانی ختم ہو گیا تو آپ کو بھی سخت پیاس لگی اور آپ کے بیٹے کو بھی اور آپ بیٹے کو مٹی پر لوٹتے ہوئے دیکھتی رہی، اس حالت میں جب نہ دیکھا گیا تو چل پڑیں، پاس ہی صفا پہاڑ کو آپ نے دیکھا، تو اس پر چڑھ گئیں، پھر وادی کی طرف منہ کیا کہ شاید کوئی آدمی نظر آ جائے، مگر کوئی بھی نظر نہ آیا تو صفا سے اتریں، وادی میں پہنچیں، اپنی اوڑھنی کے کنارے کو اٹھایا پھر مجبور انسان کی طرح دوڑنے لگیں، پھر وادی کو عبور کیا تو مروہ پہاڑ سامنے آیا اس پر چڑھ گئیں، دیکھا کہ شاید کوئی نظر آ جائے مگر کوئی بھی نظر نہ آیا۔ سات مرتبہ آپ نے ایسے ہی کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پس یہی لوگوں کی صفا و مروہ کے درمیان سعی ہے''۔ جب آپ مروہ پر سے جھانکیں تو آپ نے ایک آواز سنی آپ نے کہا: رک جا! پھر توجہ سے آواز سنی تو پھر وہی آواز سنائی دی تو آپ نے کہا: تو نے مجھے آواز سنائی کیا تیرے پاس کوئی مدد ہے؟ تو تب ایک فرشتہ مقام زمزم کے پاس تھا اس نے اپنا پیر مارا حتی کہ پانی ظاہر ہو گیا۔ آپ نے اسے بھرنا شروع کر دیا اور ہاتھ سے اشارہ کر کے یہ (زمزم) کہہ رہی تھیں اور پانی

سے چلو بھر بھر کر اپنے مشکیزے میں ڈالنا شروع کر دیا مگر وہ ابلتا ہی رہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ام اسماعیل پر رحم کرے اگر وہ زمزم کو یونہی چھوڑ دیتی تو زمزم ایک چشمہ جاری ہوتا''۔ آپ نے فرمایا'' آپ نے خود پانی پیا اور اپنے بچے کو دودھ پلایا تو فرشتے نے آپ کو کہا: مت ڈرو یہاں بیت اللہ ہے اسے یہ بچہ اور اس کا باپ تعمیر کریں گے، اور اللہ تعالیٰ اس کے اہل کو کبھی ضائع نہیں ہونے دے گا''۔ اور لمبی حدیث کو ذکر کیا۔

مسئلہ۔ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ عزیز و رحیم پروردگار پر بھروسہ کرتے ہوئے اس واقعہ کی وجہ سے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی اقتدا کرتے ہوئے اپنے بیٹے اور گھر والوں کو کسی ایسی زمین میں چھوڑ دے جہاں ان کے ضیاع کا خطرہ ہو، جس طرح غالی قسم کے صوفیہ حقیقت توکل کے بارے میں کہتے ہیں، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایسا کیا تھا۔ حدیث طیبہ میں موجود یہ الفاظ کہ ''کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ اور آپ کا فرمانا: ہاں''۔ اس بات پر دلالت کرتے ہیں۔ روایت ہے کہ جب حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل کی ولادت ہوئی تو حضرت سارہ، حضرت ہاجرہ سے رشک کرنے لگیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں لے کر مکہ آ گئے۔ اور روایت ہے کہ آپ، حضرت ہاجرہ اور بچہ تینوں براق پر سوار ہوئے اور ایک ہی دن میں شام سے مکہ پہنچ گئے، اپنے بیٹے اور اس کی ماں کو وہیں چھوڑا اور اسی دن سوار ہو کر خود واپس لوٹ گئے۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کی وجہ سے ہوا، جب واپس لوٹے تو یہ دعا کی جو اس آیت میں ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ جب اللہ تعالیٰ نے حال کی بنیاد، مقام کے آغاز، عزت والے گھر اور حرمت والے شہر کی تعمیر کا ارادہ فرمایا تو فرشتے کو بھیجا، اس نے پانی تلاش کیا اور اس پانی کو غذا کے قائم مقام بنا دیا۔ الصحیح میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے تیس دن اور رات اسی پر گزارا کیا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے پاس سوائے ماء زمزم کے کوئی کھانا نہ تھا تو میں موٹا ہو گیا یہاں تک کہ میرے پیٹ کے بٹ (بل) ٹوٹ گئے اور مجھے بھوک کی وجہ سے کمزوری کا احساس تک نہ ہوا، لمبی حدیث کو انہوں نے ذکر کیا۔

دارقطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''زمزم کا پانی اسی مقصد کے لیے ہے جس کے لیے پیا جائے اگر تو اسے اس لیے پیئے گا کہ شفا حاصل ہو تو اللہ تعالیٰ تجھے شفا دے گا اور اگر اس لیے پیئے گا کہ تو سیر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ تجھے اس کے ذریعے سیر کر دے گا اور اگر پیاس بجھانے کے لیے پیے گا تو وہ تیری پیاس بجھائے گا یہ جبریل کے پر مارنے کی وجہ سے پیدا ہوا اور حضرت اسماعیل کو اللہ نے سیراب کیا''۔ حضرت عکرمہ سے بھی مروی ہے کہ آپ نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب زمزم سے پیتے تو عرض کرتے: اے اللہ! میں تجھ سے علم نافع، وسیع رزق اور ہر بیماری سے شفا کا سوال کرتا ہوں۔ ابن عربی نے کہا: اس میں یہ اثرات قیامت تک ہر اس آدمی کے لیے موجود ہیں جس کی نیت صحیح ہو اور اس کی خواہش سلامت ہو نہ تو وہ اس کی تکذیب کرنے والا ہو اور نہ ہی تجرباتی طور پر وہ اسے پی رہا ہو۔ بے شک اللہ بھروسہ کرنے والوں کے ساتھ ہے اور وہ تجربہ کرنے والوں کو ناکام و نامراد کرتا ہے۔ ابو عبداللہ محمد بن علی ترمذی نے کہا کہ مجھے میرے باپ رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا انہوں نے کہا: ایک تاریک رات میں میں نے طواف شروع کیا تو مجھے پیشاب کا مسئلہ لاحق ہو گیا جس نے مجھے

مصروف کر دیا، میں نے اسے روکنا شروع کیا حتیٰ کہ اس نے مجھے اذیت دی اور مجھے خدشہ لاحق ہوا کہ اگر میں مسجد سے نکلا تو کوئی مجھے روند ڈالے گا اور وہ حج کے دن تھے، تو مجھے یہ حدیث یاد آ گئی۔ میں زمزم میں داخل ہوا اور اتنا پیا کہ میری پسلیاں اکڑ گئیں، تو صبح تک میرا مسئلہ ختم ہو گیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: زمزم رکن یمانی کی طرف جنت میں ایک چشمہ ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں من تبعیضہ ہے یعنی أسکنت بعض ذرّیتی یعنی اسماعیل اور اس کی ماں، کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام تو شام میں تھے۔ ایک قول کے مطابق یہ صلہ ہے، یعنی اسکنت ذرّیتی۔

مسئلہ نمبر 4۔ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ یہ ارشاد بیت اللہ کے قدیم ہونے پر دلالت کرتا ہے جس طرح مروی ہے کہ یہ طوفان نوح علیہ السلام سے پہلے کا ہے۔ سورۂ بقرہ میں یہ معنی گزر چکا ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام (1) نے بیت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اس لیے کی کہ اللہ کے علاوہ کوئی اس کا مالک نہیں، اور اس کی صفت محرم کے ساتھ اس لیے بیان فرمائی کیونکہ کچھ چیزیں جماع اور دیگر امور میں سے ایسی ہیں جو اس میں حرام ہیں جب کہ دیگر بیوت میں مباح اور جائز ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت قتادہ وغیرہ کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ یہ جابروں پر حرام ہے اس سلسلہ میں سورۃ المائدہ میں گفتگو گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ قولہ تعالیٰ: رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ دین کے جملہ معاملات میں سے نماز کو خاص کرنے کی وجہ ایک تو نماز کی فضیلت ہے اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی اہمیت ہے، اور یہ بندوں کے پاس اللہ تعالیٰ کا ایک عہد ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے بندوں پر لکھ دیں ہیں'' (2)۔ الحدیث۔ لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ میں لام ہے۔ یہ اس کے متعلق ظاہر بات ہے اور یہ أَسْكَنْتُ کے متعلق ہوگی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لام امر ہو، گویا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف اس سلسلہ میں راغب ہوئے کہ اللہ تعالیٰ انہیں نماز قائم کرنے کی توفیق دے۔

مسئلہ نمبر 6۔ یہ آیت اپنے ضمن میں اس بات کو لیے ہوئے ہے کہ مکہ میں نماز پڑھنا دیگر مقامات میں نماز کی ادائیگی کی نسبت افضل ہے، کیونکہ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ کا معنی یہ ہے کہ میں نے انہیں تیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں بسا دیا تاکہ یہ اس میں نماز ادا کریں۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا مکے میں نماز افضل ہے یا مسجد نبوی میں؟ عام محدثین کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز کی ادائیگی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک سو نماز کی ادائیگی سے افضل ہے، انہوں نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (3): ''میری اس مسجد میں نماز کی ادائیگی دیگر مساجد میں ایک ہزار نماز کی ادائیگی سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے اور مسجد حرام میں نماز کی ادائیگی میری اس مسجد میں ایک سو نماز کی ادائیگی سے افضل ہے''۔ امام حافظ ابو عمر نے کہا: وہ ثقہ تھے۔ اور اس حدیث کو حبیب المعلم

1۔ تفسیر ماوردی، سورۂ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 138

2۔ کنز العمال، کتاب الاکمال، فی فضائل الصلوٰۃ، جلد 7، صفحہ 227، حدیث 18861۔

ایضاً، سنن ابی داؤد، باب فی المحافظۃ علیٰ وقت الصلوٰت، حدیث 361، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ایضاً، ابن ماجہ، باب ماجاء فی فرض الصلوٰت الخمس، حدیث 390، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ ایضاً، فضائل مدینۃ وما حولہا، جلد 12، صفحہ 235، حدیث 34822

نے عطاء بن ابی رباح عن عبد اللہ بن زبیر بیان کیا ہے اور اسے عمدہ قرار دیا ہے، نہ اس کے الفاظ میں کوئی ملاوٹ کی اور نہ ہی معنی میں۔ ابن ابی خیثمہ نے کہا کہ میں نے یحییٰ بن معین کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: حبیب المعلم ثقہ ہے۔ عبد اللہ بن احمد نے ذکر کیا ہے کہ میں نے اپنے باپ کو کہتے ہوئے سنا: حبیب المعلم ثقہ ہے اس کی بیان کردہ حدیث کتنی زیادہ صحیح ہے۔ ابوزرعہ رازی سے حبیب المعلم کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: یہ بصری ہے، ثقہ ہے۔

میں (قرطبی) نے کہا: حبیب المعلم کی اس حدیث کو عطاء بن ابی رباح عن عبد اللہ بن زبیر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حافظ ابو حاتم محمد بن حاتم التمیمی البستی نے اپنی المسند الصحیح میں بیان کیا ہے۔ پس حدیث صحیح ہے اور تنازع اور اختلاف کی صورت میں حجت ہے والحمد للہ۔ موسیٰ جہنی نے نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور موسیٰ جہنی ثقہ ہیں ان پر قطان، احمد، یحییٰ اور ان کی جماعت نے اعتماد کیا ہے اور ان کی تعریف کی ہے اور شعبہ، ثوری اور یحییٰ بن سعید نے ان سے روایت کیا ہے اور حکیم بن سیف نے روایت بیان کی ہے حدثنا عبید اللہ بن عمر عن عبد الکریم عن عطاء بن ابی رباح عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری اس مسجد میں ایک نماز دیگر مساجد کی ایک ہزار نماز سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے اور مسجد حرام کی ایک نماز دیگر مساجد کی ایک ہزار نماز سے افضل ہے'' (1)۔ اور یہ حکیم بن سیف اہل رقہ کے شیخ ہیں ان سے ابوزرعہ رازی نے روایت کیا ہے اور ابن وضاح نے ان سے لیا ہے، اور یہ ان کے نزدیک شیخ صدوق ہیں اس میں کوئی حرج نہیں۔ پس اگر تو اس نے یاد کیا تھا تو پھر تو یہ دونوں حدیثیں ہیں ورنہ حبیب المعلم کا قول ہے۔ اور محمد بن وضاح نے روایت بیان کی ہے حدثنا یوسف بن عدی بن عمر بن عبید عن عبد الملک عن عطا عن ابن عمر رضی اللہ عنہما آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری اس مسجد کی ایک نماز دیگر مساجد کی ایک ہزار نماز سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے کیونکہ مسجد حرام کی نماز افضل ہے'' (2)۔ ابو عمر نے کہا: یہ سارے کا سارا اختلاف کے مقام میں نص ہے اور ہدایت یافتہ آدمی کے لیے قطعی ہے، اور اس کی وجہ سے اس کی عصبیت پر کوئی ملال نہیں آتا۔ ابن حبیب نے مطرف اور اصبغ سے عن ابن وہب ذکر کیا ہے کہ ان دونوں کا نظریہ مسجد نبوی میں نماز کی ادائیگی پر مسجد حرام کی نماز کی ادائیگی کی فضیلت کا تھا۔

امام مالک اور تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عیدین کی نماز ہر شہر میں کھلے میدان میں پڑھی جائے گی سوائے مکہ مکرمہ کے وہاں مسجد حرام میں پڑھی جاتی ہے۔ اور حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابو الدرداء، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم مکہ اور اس کی مساجد کو فضیلت دیتے تھے اور ان کی تقلید بعد والوں کی نسبت زیادہ اولیٰ ہے۔ یہی نقطہ نظر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا اور یہی عطا، اہل مکہ اور اہل کوفہ کا قول ہے۔ اسی طرح حضرت امام مالک سے بھی مروی ہے۔ ابن وہب نے اپنی جامع میں امام مالک سے ذکر کیا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تو آپ نے عرض کیا: اے میرے

1۔ کنز العمال، فضائل مدینہ وما حولہا، جلد 12، صفحہ 235، حدیث 34821

2۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، فضل المساجد الثلاثۃ، جلد 1، صفحہ 447-446

ایضاً، سنن ابن ماجہ، باب ماجاء فی فضل الصلاۃ فی المسجد الحرام الخ، حدیث نمبر 1395، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

پروردگار! کیا یہ تیرے نزدیک پسندیدہ ہے کہ اس میں تیری عبادت کی جائے؟ اللہ نے فرمایا: بلکہ مکہ میں، جب کہ آپ سے اور اہل مدینہ سے مشہور مدینہ کی فضیلت کا قول ہے۔ اہل بصرہ اور بغداد نے اس سلسلے میں اختلاف کیا ہے ایک گروہ نے مکہ کی افضلیت کی بات کی ہے اور ایک جماعت نے مدینہ کی۔

قولہ تعالیٰ: فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْۤ اِلَيْهِمْ، الافئدۃ، فواد کی جمع ہے (1) اور اس سے مراد دل ہیں اور بعض اوقات قلب کو فواد سے تعبیر کر دیا جاتا ہے، جس طرح شاعر نے کہا ہے:

وَاِنَّ فُؤَاداً قَادَنِیْ بِصَبَابَةٍ اِلیکِ علی طولِ المَدَی لَصَبُوْرُ (2)

اس میں فواد سے مراد دل ہے۔

ایک قول یہ ہے: یہ وفد کی جمع ہے اس کی اصل اوفدہ ہے، فا کو مقدم کیا گیا اور واؤ کو یا سے بدل دیا گیا تو أفئدہ ہو گیا، گویا کہ آپ نے فرمایا: واجعل وفوداً من الناس تھوی الیھم یعنی وہ ان کی طرف مائل ہوں۔ جب کوئی چیز مائل ہو اور جھکے تو ھوی نحوہ کہا جاتا ہے، اور جب کوئی اونٹنی بہت زیادہ تیز دوڑے تو کہا جاتا ہے۔ هَوَتْ الناقةُ تَهْوِي هَوِيًا فهي هَاوِيَةٌ گویا کہ وہ کھلی ہوا میں ہے۔ اور تھوی الیھم اسی سے ماخوذ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: اگر آپ نے افئدۃ الناس کہا ہوتا تو فارس، روم، ترک اور ہند کے لوگ اسی طرح یہودی، نصرانی اور مجوسی ان کے پاس پہنچ جاتے لیکن آپ نے افئدۃ من الناس کہا تو وہ صرف مسلمان ہیں۔ تھوی الیھم یعنی وہ ان کے مشتاق ہو جائیں، اور بیت اللہ کی زیارت کے مشتاق ہو جائیں۔ مجاہد نے تھوی الیھم پڑھا ہے یعنی وہ ان کی طرف مائل ہے اور ان کی تعظیم کرتا ہے۔ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ۔

پس اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کی اور طائف میں ان کے لیے سارے درخت اگا دیئے، اور سارے شہروں کے لوگ ان کی طرف کھنچے چلے آئے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث مروی ہے جس کا بعض حصہ ہم نے ذکر کیا ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی کرنے کے بعد تشریف لائے تو آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو نہ پایا، آپ کی بیوی سے آپ کے متعلق پوچھا، اس نے کہا: ہمارے لیے کچھ لینے نکلے ہیں، پھر آپ نے ان سے ان کی زندگی اور کیفیت کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا: ہم برائی میں ہیں، ہم تنگی اور سختی میں ہیں، اس نے آپ کے سامنے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا: جب تیرا شوہر آئے تو اسے میرا سلام کہنا اور اسے کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ تبدیل کر، جب حضرت اسماعیل علیہ السلام آئے تو گویا آپ کسی چیز سے مانوس ہوئے آپ نے کہا: کیا کوئی تمہارے پاس آیا ہے؟ بیوی نے کہا: ہاں ہمارے پاس اس طرح کا بوڑھا آیا تھا، اس نے مجھ سے آپ کے بارے میں پوچھا میں نے اسے بتایا، اس نے مجھ سے ہماری زندگی کے بارے میں پوچھا تو میں نے انہیں بتایا کہ ہم مشکل اور شدت میں ہیں۔ آپ نے کہا: کیا اس نے کسی چیز کے بارے میں وصیت بھی کی؟ بیوی نے کہا: اس نے مجھے کہا تھا کہ میں آپ کو سلام دوں اور وہ کہتا تھا: اپنے دروازے کی چوکھٹ تبدیل کرو۔ آپ نے فرمایا: وہ میرا باپ تھا اور اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھے جدا کر دوں

1۔ تفسیر ماوردی، سورۂ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 138 2۔ ایضاً

سوا اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا، آپ نے اسے طلاق دے دی اور ایک اور عورت سے شادی کر لی، پھر جتنی دیر الله نے چاہا حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف نہ لائے پھر کچھ عرصہ کے بعد آپ ان کے پاس آئے تو آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو نہ پایا، آپ کی بیوی کے پاس گئے اور آپ کے بارے میں اس سے پوچھا، اس نے کہا: وہ ہمارے لیے کچھ لینے نکلے ہیں۔ آپ نے فرمایا: تم کیسے ہو؟ اور آپ نے اس سے زندگی اور ان کی کیفیت کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا: ہم بھلائی اور خیر سے ہیں اور اس نے الله کی تعریف کی۔ آپ نے فرمایا: تمہارا کھانا کیا ہے؟ اس نے کہا: گوشت۔ آپ نے فرمایا: تمہارا پینا کیا ہے؟ اس نے کہا: پانی۔ آپ نے کہا: اے الله! ان کے لیے گوشت اور پانی کو مبارک فرما۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس دن ان کے پاس کوئی دانہ نہیں تھا اگر ہوتا تو آپ اس میں برکت کی دعا بھی کرتے''۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ''مکہ کے علاوہ جس نے بھی ان دونوں (پانی اور گوشت) پر اعتماد کیا یہ اسے موافق نہیں آئے''(1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْۤ اِلَیْهِمْ کہنا گویا الله تعالیٰ سے یہ سوال کرنا تھا کہ لوگ مکہ کو رہائش گاہ بنالیں، اور یہ حرمت والا گھر ہو جائے، اور یہ سب کچھ قبول ہوا۔ والحمدلله۔

سب سے پہلے جو آدمی رہائش پذیر ہوا وہ قبیلہ جرہم کا تھا۔ بخاری میں ہے کہ بیت الله زمین سے بلند تھا اور اس طرح تھا جس طرح جھاگ اٹھی ہوئی ہو، جب سیلاب آتا تو دائیں بائیں سے اسے کاٹتا چلا جاتا، اسی طرح صورتحال رہی حتیٰ کہ قبیلہ جرہم کا ایک قافلہ اس راستے سے گزرا، وہ مکہ کے زیریں علاقے میں اترے، انہوں نے ایک پرندے کو چکر لگاتے ہوئے دیکھا تو کہا: یہ پرندہ پانی پر چکر لگا رہا ہے، اس وادی میں پانی کی تلاش کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ انہوں نے ایک یا کئی قاصد بھیجے تو وہ پانی تک پہنچ گئے، انہوں نے انہیں پانی کے بارے میں بتایا تو وہ سارے پانی کے پاس آ گئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ماں پانی کے پاس تھیں۔ انہوں نے کہا: کیا آپ ہمیں اپنے پاس ٹھہرنے کی اجازت دیں گی؟ آپ نے فرمایا: ہاں لیکن پانی پر تمہارا کوئی حق نہیں ہوگا۔ انہوں نے کہا: ہاں (ٹھیک ہے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ماں نے اس قبیلے کو پالیا درآنحالیکہ آپ انس کو پسند کرتی تھیں۔ وہ اترے اور اپنے گھر والوں کی طرف پیغام بھیجا وہ بھی ان کے ساتھ رہائش پذیر ہو گئے یہاں تک کہ ان کے کئی گھر بن گئے، بچہ جوان ہو گیا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ماں کا انتقال ہو گیا، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی کے بعد تشریف لائے''(2)، الحدیث۔

رَبَّنَاۤ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَ مَا نُعْلِنُ ؕ وَ مَا یَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ ۝۳۸ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ۝۳۹ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖۗ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 1، صفحہ 475 2۔ معالم التنزیل، سورۂ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 385

دُعَآءِ ۞ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۞

''اے ہمارے رب! یقیناً تو جانتا ہے جو ہم (دل میں) چھپائے ہوئے ہیں اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں اور کوئی چیز مخفی نہیں ہے اللہ تعالیٰ پر نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے عطا فرمائے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق (جیسے فرزند) بلاشبہ میرا رب بہت سننے والا ہے دعاؤں کا۔ میرے رب! بنادے مجھے نماز کو قائم کرنے والا اور میری اولاد کو بھی، اے ہمارے رب! میری یہ التجا ضرور قبول فرما۔ اے ہمارے رب! بخش دے مجھے اور میرے ماں باپ کو اور سب مومنوں کو جس دن حساب قائم ہوگا''۔

قولہ تعالیٰ: **رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ** یعنی تجھ پر ہمارے حالات میں سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل نے کہا: اسماعیل اور اس کی ماں کو وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ کر ان کے متعلق جو میرے جذبات ہیں جن کو میں نے دل میں چھپا رکھا ہے اور جن کو میں نے ظاہر کر رکھا ہے تو سب کو جانتا ہے۔ **وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ** ایک قول یہ ہے: یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گفتگو کا حصہ ہے۔ اور ایک قول یہ ہے: یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے **رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ** کہا تو اللہ تعالیٰ نے **وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ** فرمایا: **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ** یعنی میرے اور میری بیوی کے بڑھاپے میں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیانوے سال تھی اور حضرت اسحاق کی ولادت کے وقت ایک سو بیس سال کی عمر تھی۔ حضرت سعید بن جبیر نے کہا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک سو دس سال کی عمر میں حضرت اسحاق کی بشارت دی گئی۔ **اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ**۔

قولہ تعالیٰ: **رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ** یعنی اسلام پر ثابت قدم اور اس کے احکام کا التزام کرنے والا بنا **وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ** یعنی میری اولاد کو بھی یہ دونوں کام کرنے والا بنا۔ **رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ**، **دُعَآءِ** سے مراد عبادت ہے یعنی میری عبادت کو قبول فرما، جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ** (غافر: 60) اور تمہارے رب نے فرمایا: میری عبادت کرو میں تمہاری (عبادت کو) قبول کروں گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دعا عبادت کا مغز ہے''(1)۔ سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ **رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ**۔ ایک قول یہ ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین کے لیے تب دعا مانگی جب ابھی آپ کے نزدیک یہ بات ثابت نہیں تھی کہ وہ دونوں اللہ کے دشمن ہیں۔ قشیری نے کہا: یہ بات بھی بعید از قیاس نہیں کہ آپ کی ماں مسلمان ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اپنے باپ کے استغفار کے بارے میں عذر کو ذکر کیا ہے۔ ماں کے استغفار کے بارے میں عذر کو ذکر نہیں فرمایا۔

میں (قرطبی) نے کہا: اس وجہ سے حضرت سعید بن جبیر کی قراءت **رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدِيْ** ہے یعنی میرے باپ کو بخش دے۔ ایک قول یہ ہے: آپ نے ان دونوں کے ایمان کی لالچ میں دونوں کے لیے استغفار کیا۔ ایک قول یہ ہے: آپ نے

1۔ جامع ترمذی، کتاب الدعوات، ما جاء فی فضل الدعاء، جلد 2، صفحہ 173

ان دونوں کے لیے اس شرط کے ساتھ استغفار کیا کہ وہ دونوں اسلام لے آئیں۔ اور ایک قول یہ ہے: والدین سے آپ کی مراد حضرت آدم علیہ السلام و حضرت حواء علیہما السلام ہیں۔

روایت ہے کہ بندہ جب رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ کہے اور اس کے والدین حالت کفر میں مر چکے ہوں تو مغفرت کی نسبت حضرت آدم و حواء علیہما السلام کی طرف ہو جاتی ہے کیونکہ وہ ساری مخلوق کے والدین ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے: اس سے مراد آپ کے دونوں بیٹے حضرت اسماعیل و حضرت اسحاق علیہما السلام ہیں۔ ابراہیم نخعی، وَلِوَلَدَیَّ پڑھتے تھے یعنی آپ کے دونوں بیٹے، یحییٰ بن یعمر نے بھی اسی طرح پڑھا ہے (1)۔ اس کو ماوردی اور نحاس نے ذکر کیا ہے۔ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان سے مراد امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مومنین ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے: تمام مومنین کے لیے دعا ہے اور یہی زیادہ ظاہر اور مناسب ہے۔ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ یعنی جس دن لوگ حساب کے لیے کھڑے ہوں گے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا یُؤَخِّرُهُمْ لِیَوْمٍ تَشْخَصُ فِیْهِ الْاَبْصَارُ ۙ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِیْنَ مُقْنِعِیْ رُءُوْسِهِمْ لَا یَرْتَدُّ اِلَیْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿ؕ۴۳﴾

"اور تم یہ مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ بے خبر ہے ان کرتوتوں سے جو یہ ظالم کر رہے ہیں وہ تو انہیں صرف ڈھیل دے رہا ہے اس دن کے لیے جب کہ (مارے خوف کے) کھلی کی کھلی رہ جائیں گی آنکھیں۔ بھاگ بھاگ جا رہے ہوں گے اپنے سر اٹھائے ہوئے ان کی پلکیں نہیں جھپکتی ہوں گی اور ان کے دل (دہشت سے) اڑے جا رہے ہوں گے"۔

قولہ تعالیٰ: وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ مشرکین کے افعال اور ان کی دین ابراہیمی کی مخالفت سے نبی کو حیران کرنے کے بعد یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی ہے، یعنی صبر کرو جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صبر کیا اور مشرکین کو بتاؤ کہ عذاب کی تاخیر کا مطلب ان کی کارروائیوں پر رضامندی کا اظہار نہیں بلکہ کچھ مدت کے لیے نافرمانوں کو مہلت دینے کی سنت الہیہ ہے۔ میمون بن مہران نے کہا: یہ ظالم کے لیے وعید اور مظلوم کے لیے تعزیت و تسلی ہے (2)۔ اِنَّمَا یُؤَخِّرُهُمْ، هُمْ ضمیر سے مراد مشرکین مکہ ہیں یعنی وہ انہیں مہلت دیتا ہے اور ان کے عذاب کو مؤخر کرتا ہے۔ عام لوگوں کی قراءت یُؤَخِّرُهُمْ یاء کے ساتھ ہے اور ابوعبید اور ابوحاتم نے وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ کی وجہ سے اسی کو اختیار کیا ہے۔ حسن اور سلمی نے اسے نُؤَخِّرُهُمْ نون کے ساتھ تعظیماً پڑھا ہے اور ابو عمرو سے بھی یہی مروی ہے۔

لِیَوْمٍ تَشْخَصُ فِیْهِ الْاَبْصَارُ فراء کا قول ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس دن میں جو ہولناکی کا وہ مشاہدہ کریں گے اس سے آنکھ بند نہیں کر سکیں گے۔ شَخَصَ الرجل بَصَرَہٗ و شَخَصَ البصرُ نفسہ کہا جاتا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ جو کچھ اس نے دیکھا اس کی ہولناکی سے اس کی نظر اٹھی اور بلند ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: شدت حیرت کے سبب

1۔ تفسیر ماوردی، سورۂ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 139 2۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 140

اس دن مخلوق کی آنکھیں ہوا کی طرف کھلی کی کھلی رہ جائیں گی اور وہ بند نہیں کر سکیں گے۔ مُهْطِعِيْنَ یعنی جلدی جلدی، یہ حضرت حسن، حضرت قتادہ اور حضرت سعید بن جبیر کا قول ہے، یہ أهطع يُهطع إهطاعاً سے ماخوذ ہے، یہ تب بولا جاتا ہے جب کوئی جلدی کرے، اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ (القمر: 8) ہے یہاں مُهْطِعِيْنَ کا معنی مسرعین ہے۔ شاعر نے کہا:

بدجلة دارُهُمْ ولقد أراهُمْ بدجلة مُهْطِعِينَ إلى السَّماعِ(1)

شعر میں بھی مهطعین کا مطلب مسرعین ہے۔

ایک قول کے مطابق المهطع وہ جو خشوع وتذلل سے دیکھتا ہے یعنی آنکھیں اٹھائے بغیر دیکھنے والے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اور مجاہد اور ضحاک نے کہا: مُهْطِعِيْنَ سے مراد مسلسل دیکھنا ہے۔ نحاس نے کہا: لغت میں معروف یہی ہے کہ أهطع اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی جلدی کرے۔ ابو عبید نے کہا: بعض اوقات دو صورتیں اکٹھی پائی جاتی ہیں یعنی اسراع مع ادامة النظر۔ ابن زید نے کہا: المهطع وہ ہے جو اپنے سر کو نہیں اٹھاتا۔ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ یعنی اپنے سروں کو اٹھائے ہوئے، نیچے دیکھتے ہوئے۔ اقناع الراس سے مراد سر کا اٹھانا ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد کا قول ہے۔ ابن عرفہ اور قتبی وغیرہ کا قول ہے: المقنع وہ ہے جو اپنے سر کو اٹھاتا ہے اور اپنے سامنے دیکھتے ہوئے آتا ہے۔ اسی سے اقناع فی الصلاۃ یعنی نماز میں سر اٹھانا ہے اور اپنے سامنے دیکھنا ہے۔ اور جب کوئی آواز بلند کرے تو أقنع صوته کہا جاتا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس دن لوگوں کے چہرے آسمان کی طرف ہوں گے کوئی کسی کو نہیں دیکھے گا۔ ایک قول کے مطابق اس سے مراد اپنے سروں کو جھکانے والے ہیں۔ مہدوی نے کہا: جب کوئی اپنے سر کو اٹھائے تب اقنع کہا جاتا ہے اور جب کوئی ذلت وخضوع سے اپنے سر کو پست کرے تب بھی أقنع کہا جاتا ہے۔ اور آیت دو احتمال رکھتی ہے، یہ مبرد کا قول ہے جب کہ پہلا قول لغت میں زیادہ معروف ہے۔ ایک رجز کہنے والے نے کہا:

أَنْغَضَ نَحْوِي رَأْسَهُ وَأَقْنَعَا كَأَنَّمَا أَبْصَرَ شَيْئًا أَطْمَعَا(2)

شعر میں أقنعا سے مراد سر اٹھانا ہے۔

شماخ نے اونٹ کی تعریف کرتے ہوئے کہا:

يُبَاكِرْنَ العضاهَ بِمُقْنَعاتٍ نَوَاجِذُهُنَّ كَالْحَدَأِ الوَقِيعِ

یعنی اپنے سروں کو درختوں کی طرف اٹھاتے ہیں تاکہ انہیں کھائیں۔

تو اس میں بھی سر کو اٹھانا ہی مراد ہے۔ اسی سے اوڑھنی کو مقنعة کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بلند ہوتی ہے۔ اور اسی سے قنع الرجل ہے یعنی وہ خوش ہوا، یعنی اس نے سوال کرنے سے سر اٹھالیا۔ اور جب آدمی سوال کرے تو قنع کہا جاتا ہے یعنی وہ بتکلف قناعت کرتا ہوا آیا، یہ نحاس سے منقول ہے۔ اور فم مقنع یعنی اس کے دانت اندر کی طرف مڑے ہوئے ہیں۔ اور

1۔ تفسیر ماوردی، سورۂ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 140		2۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 141

رجل مقنع شد کے ساتھ اس سے مراد وہ آدمی ہے جس نے سر پر خود پہنا ہوا ہو، یہ جوہری کا قول ہے۔ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ یعنی شدت نظر سے ان کی پلکیں نہیں جھپکتی ہوں گی پس یہ نظر کا کھلا رہنا ہے۔ جب ایک پلک دوسری کے ساتھ مل جائے تو طَرَفَ الرجلُ يَطْرِفُ طَرْفًا کہا جاتا ہے۔ نظر کو طرف کہا گیا کیونکہ نظر طرف ہی سے ہوتی ہے۔ اور طرف سے مراد آنکھ ہے۔ عنترہ نے کہا:

وأَغُضُّ طَرْفِي ما بَدَتْ لِي جارتي   حتّى يُوَارِي جارتي مَأْوَاهَا

شعر میں طرفی سے مراد میری آنکھ ہے۔

جمیل نے کہا:

وأَقْصِرُ طَرْفِي دُونَ جُمْلٍ كَرَامَةً   لِجُمْلٍ ولِلطَّرْفِ الذِي أَنَا قَاصِرُهُ(1)

اس میں بھی طرفی سے مراد میری آنکھ ہے۔

وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ یعنی شدت خوف سے وہ کوئی فائدہ نہیں دیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی خیر اور بھلائی سے خالی ہوں گے۔ سدی نے کہا: ان کے دل ان کے سینوں سے نکلیں گے اور ان کے حلقوں میں پیوست ہو جائیں گے۔ مجاہد، مرہ اور ابن زید نے کہا: بے آباد، برباد اور پھٹے ہوئے جن میں نہ کوئی بھلائی ہو گی اور نہ عقل، جس طرح کہ آپ اس گھر کے بارے میں انما هو هواء کہتے ہیں جس میں کچھ بھی نہ ہو، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اور لغت میں هواء اسے کہتے ہیں جو کھوکھلا اور خالی ہو، اسی سے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

أَلَا أَبْلِغْ أَبَا سُفْيَانَ عَنِّي   فَأَنْتَ مُجَوَّفٌ نَخِبٌ هَوَاءُ(2)

خبردار ابوسفیان کو میری جانب سے پہنچا دو کہ تو کھوکھلا، بزدل اور خالی ہے۔

زہیر نے چھوٹے سر والی اونٹنی کی صفت بیان کرتے ہوئے کہا:

كَأَنَّ الرَّحْلَ مِنْهَا فَوْقَ صَعْلٍ   مِنَ الظِّلْمَانِ جُؤْجُؤُهُ هَوَاءُ(3)

جؤجؤه هواء یعنی جس کا اگلا حصہ ہوا ہے۔ مراد یہ ہے کہ فارغ یعنی خالی ہے۔

قرآن مجید میں أَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَارِغًا (القصص: 10) ہے یعنی سوائے غم موسیٰ کے ہر چیز سے فارغ۔ ایک قول کے مطابق: کلام میں اضمار ہے، یعنی ذات هواء و خلاء۔

وَأَنذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۗ أَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُم مِّن قَبْلُ مَا لَكُم مِّن زَوَالٍ ﴿٤٤﴾

”(اے میرے نبی!) ڈرایئے لوگوں کو اس دن سے جب آئے گا ان پر عذاب تو بول اٹھیں گے ظالم: اے

1۔ تفسیر ماوردی، سورۂ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 141   2۔ ایضاً   3۔ تفسیر کشاف، سورۂ ابراہیم، جلد 2، صفحہ 563

ہمارے رب! ہمیں مہلت دے تھوڑی دیر کے لیے ہم تیری دعوت پر لبیک کہیں گے اور ہم رسولوں کی پیروی کریں گے۔ (اے کافرو!) کیا تم قسمیں نہیں اٹھایا کرتے تھے اس سے پہلے کہ تمہیں یہاں سے کہیں جانا نہیں ہے"۔

قولہ تعالیٰ: وَ اَنْذِرِ النَّاسَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اہل مکہ مراد ہیں۔ یَوْمَ یَاْتِیْهِمُ الْعَذَابُ وہ قیامت کا دن ہوگا، یعنی انہیں اس دن سے ڈرایئے۔ انہیں صرف عذاب کے دن کے ساتھ مخصوص فرمایا (1) حالانکہ وہ ثواب کا دن بھی ہوگا کیونکہ کلام گنہگار اور نافرمان کے لیے دھمکی اور تہدید کے طور پر ہے۔ فَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا یعنی اس دن کہیں گے رَبَّنَاۤ اَخِّرْنَاۤ یعنی ہمیں مہلت دے۔ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِیْبٍ جب آخرت میں حق ظاہر ہوگا تو وہ اللہ تعالیٰ سے دنیا میں لوٹنے کا سوال کریں گے۔ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ یعنی تیری دعوت اسلام پر لبیک کہیں گے۔ وَ نَتَّبِعِ الرُّسُلَ اور ہم رسولوں کی پیروی کریں گے، تو انہیں جواب دیا جائے گا اَوَ لَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ، مِّنْ قَبْلُ سے مراد دار دنیا ہے۔

مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ مجاہد نے کہا: یہ قریش کی قسم تھی کہ انہیں مرنے کے بعد نہیں اٹھایا جائے گا۔ ابن جریج نے کہا: یہ ان کے اس قول کی حکایت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ ۙ لَا یَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ یَّمُوْتُ (النحل: 38) اور انہوں نے پختہ قسم اٹھائی اللہ کی کہ جو مر جائے گا اللہ اسے دوبارہ نہیں اٹھائے گا۔ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ کے بارے میں دو تاویلیں ہیں: ایک تاویل یہ ہے کہ تمہیں دنیا سے آخرت کی طرف منتقل ہی نہیں ہونا، یعنی نہ تمہیں دوبارہ اٹھنا ہے اور نہ ہی تمہارا حشر ہوگا، یہ مجاہد کا قول ہے۔ اور دوسری تاویل یہ ہے کہ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ سے مراد مالكم من العذاب ہے یعنی تمہارے لیے عذاب سے ہی نہیں۔ بیہقی نے محمد بن کعب قرظی سے ذکر کیا اس نے کہا: دوزخیوں کی پانچ گزارشات ہوں گی اللہ تعالیٰ انہیں چار کا جواب ارشاد فرمائے گا اور جب پانچویں گزارش تک پہنچیں گے تو اس کے بعد وہ کبھی بھی کلام نہیں کریں گے۔

وہ کہیں گے: رَبَّنَاۤ اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَ اَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِیْلٍ ۝ (غافر) اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندہ کیا پس اب ہم اعتراف کرتے ہیں اپنے گناہوں کا سو کیا یہاں سے نکلنے کی بھی کوئی صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جواب ارشاد فرمائے گا: ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِیَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَ اِنْ یُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ؕ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِیِّ الْكَبِیْرِ ۝ (غافر) اس کی وجہ یہ تھی کہ جب پکارا جاتا اللہ تعالیٰ کو اکیلا تو تم انکار کر دیتے اور اگر شریک بنایا جاتا کسی کو اس کا تو تم مان لیتے پس حکم کا اختیار اللہ کے لیے ہے جو برتر اور بزرگ ہے۔

پھر کہیں گے: رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَ سَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۝ (السجدہ) اے ہمارے رب! ہم نے (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیا اور (کانوں سے) سن لیا پس (ایک بار) بھیج ہمیں (دنیا میں) اب ہم نیک عمل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جواب ارشاد فرمائے گا: فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِیْنٰكُمْ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (السجدہ) پس اب چکھو سزا اس جرم کی کہ تم نے بھلا دیا تھا اپنے اس روز کی ملاقات کو، ہم نے تم کو نظر انداز کر دیا اور چکھو ابدی عذاب ان (کرتوتوں) کے عوض جو تم کیا کرتے تھے۔

1۔ تفسیر ماوردی، سورۃ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 142

پھر وہ کہیں گے: رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ اے ہمارے رب! ہمیں مہلت دے تھوڑی دیر کے لیے ہم تیری دعوت پر لبیک کہیں گے اور ہم رسولوں کی پیروی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ جواب ارشاد فرمائے گا: اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ (اے کافرو!) کیا تم قسمیں نہیں اٹھایا کرتے تھے اس سے پہلے کہ تمہیں یہاں سے کہیں نہیں جانا ہے۔

وہ کہیں گے: رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ (فاطر: 37) اے ہمارے رب! (ایک بار) ہمیں یہاں سے نکال، ہم بڑے نیک کام کریں گے ایسے نہیں جیسے ہم پہلے کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جواب ارشاد فرمائے گا: اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝ (فاطر) کیا ہم نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہیں دی تھی جس میں (بآسانی) نصیحت قبول کر سکتا جو نصیحت قبول کرنا چاہتا اور تشریف لے آیا تمہارے پاس ڈرانے والا (تم نے اس کی بات نہ مانی) پس اب (اپنے کیے کا) مزہ چکھو ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں۔

وہ کہیں گے: رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ۝ (المومنون) اے ہمارے رب! غالب آ گئی تھی ہم پر ہماری بدبختی اور ہم گم کردہ راہ لوگ تھے ... اللہ تعالیٰ انہیں جواب ارشاد فرمائے گا: اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ۝ (المومنون) پھٹکارے ہوئے پڑے رہو اس میں اور مت بولو میرے ساتھ۔ تو اس کے بعد وہ کبھی بھی کلام اور گفتگو نہ کریں گے۔ ابن مبارک نے اسے اپنے دقائق میں اس سے بہت زیادہ طویل انداز میں تخریج کیا ہے اور ہم (قرطبی) نے اسے کتاب ''التذکرہ'' میں لکھا ہے۔ حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ۝ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ۭ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۝ اور تم آباد تھے ان لوگوں کے (متروکہ) گھروں میں جنہوں نے ظلم کیے تھے اپنے آپ پر اور یہ بات تم پر خوب واضح ہو چکی تھی کہ کیسا برتاؤ کیا تھا ہم نے ان کے ساتھ اور ہم نے بھی بیان کی تھیں تمہارے لیے (طرح طرح کی) مثالیں اور انہوں نے اپنی طرف سے بڑی فریب کاریاں کیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس ان کے مکر کا توڑ تھا اگرچہ ان کی چالیں اتنی زبردست تھیں کہ ان سے پہاڑ اکھڑ جاتے تھے۔

راوی نے کہا: یہ تیسرا جواب ہوگا۔ اور حدیث کا ذکر کرنے کے بعد اللہ کے ارشاد اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ۝ (المومنون) کے بعد یہ اضافہ کیا ہے کہ اس وقت ان کی دعا اور امید ختم ہو جائے گی اور وہ ایک دوسرے کی طرف اس طرح متوجہ ہوں گے کہ ایک دوسرے کو کتے کی طرح بھونک رہے ہوں گے۔ راوی نے کہا: مجھے ازہر بن ابی ازہر نے بیان کیا ہے کہ اس نے ذکر کیا کہ یہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ۝ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ۝ (المرسلات)

وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ۝ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ۭ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۝

''اور تم آباد تھے ان لوگوں کے (متروکہ) گھروں میں جنہوں نے ظلم کیے تھے اپنے آپ پر اور یہ بات تم پر خوب واضح ہو چکی تھی کہ کیسا برتاؤ کیا تھا ہم نے ان کے ساتھ اور ہم نے بھی بیان کی تھیں تمہارے لیے (طرح طرح کی) مثالیں۔ اور انہوں نے اپنی طرف سے بڑی فریب کاریاں کیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس ان کے مکر کا توڑ تھا اگرچہ ان کی چالیں اتنی زبردست تھیں کہ ان سے پہاڑ اکھڑ جاتے تھے''۔

قولہ تعالیٰ: وَّ سَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَ تَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَ ضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ یعنی قوم ثمود اور اس جیسی دیگر قوموں کے شہروں میں تم نے ان کے گھروں سے کیوں عبرت حاصل نہیں کی، حالانکہ تم پر واضح ہو چکا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا اور اس کے ساتھ ساتھ ہم نے تمہارے لیے قرآن میں طرح طرح کی مثالیں بھی بیان کر دی تھیں۔ ابو عبد الرحمن سلمی نے ونبیّن لکم نون اور جزم کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں صیغہ مستقبل کا ہے جب کہ معنی ماضی کا اور دوسری وجہ یہ ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ کے مناسب و مطابق ہو جائے جب کہ جماعت کی قراءت وتبیین ہے اور یہ معنی اس میں اس کی مثل ہے، کیونکہ یہ بھی ان پر اللہ ہی کے واضح کرنے سے واضح ہوئی۔

قولہ تعالیٰ: وَ قَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک اور رسولوں کی تکذیب اور دشمنی جیسی چالبازیاں انہوں نے کیں، وَ عِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَ اِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ، اِنْ بمعنی ما ہے یعنی ان کا مکر ضعف اور کمزوری کی وجہ سے ایسا نہیں تھا کہ اس سے پہاڑ اکھڑ جاتے۔ قرآن مجید میں پانچ مقامات پر ان بمعنی ما استعمال ہوا ہے۔ ایک اس مقام پر، دوسرا فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ (یونس: 94) تیسرا، لَوْ اَرَدْنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّاۤ ۖۗ اِنْ كُنَّا (انبیاء: 17) یعنی ما کنا۔ چوتھا، قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ (الزخرف: 81) پانچواں، وَ لَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَاۤ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ (الاحقاف: 26) جماعت نے ان کان نون کے ساتھ پڑھا ہے جب کہ عمرو بن علی، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابی نے وان کاد دال کے ساتھ پڑھا ہے (1) اور عام لوگوں نے لتزول میں لام جحود ہونے کی وجہ سے اسے مکسور پڑھا اور نصب کی وجہ سے دوسری لام کو مفتوح پڑھا۔

اور ابن محیصن، ابن جریج اور کسائی نے لَتَزُوْلُ لام ابتدائیہ ہونے کی وجہ سے پہلی لام کو مفتوح پڑھا اور دوسری کو مرفوع پڑھا ہے۔ اور ان کو مخففہ من مثقلہ بنایا ہے، اور اس قراءت کی صورت میں ان کے مکر کو بڑا سمجھنا مقصود ہے، یعنی ان کا فریب بہت بڑا تھا حتی کہ قریب تھا کہ اس سے پہاڑ اکھڑ جائیں۔ طبری نے کہا: مختار پہلی قراءت ہے، کیونکہ اگر پہاڑ زائل ہو جاتے تو وہ ثابت تو پھر نہ تھے۔ ابو بکر انباری نے کہا: اس حدیث میں مسلمانوں کے مصحف کے خلاف کوئی حجت نہیں جو ہمیں احمد بن حسین نے بیان کی ہے: حدثنا عثمان بن ابی شیبۃ حدثنا وکیع بن الجراح عن اسرائیل عن ابی اسحاق عن عبد الرحمن بن دانیل انہوں نے کہا میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا ہے: جابر لوگوں میں سے ایک جابر نے کہا کہ میں تب تک نہیں رکوں گا جب تک یہ معلوم نہیں کر لیتا کہ آسمان میں کون ہے؟ تو اس نے گدھوں کے بچے پالے اور گوشت پکانے کا حکم

1۔ معالم التنزیل، سورۂ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 388

دیا یہاں تک کہ وہ سخت اور مضبوط ہو جائے۔ پھر اس نے ایک ایسا تابوت بنانے کا حکم دیا جس میں دو آدمیوں کی گنجائش ہو اور اس کو لمبی لکڑیاں لگانے کا حکم دیا جس کے سروں پر سخت سرخ رنگ کا گوشت لگایا جائے۔ اور میخوں کے ذریعے گدھوں کی ٹانگوں کے ساتھ اسے باندھ دیا جائے اور لکڑیوں کو تابوت کے قوائم کے ساتھ باندھا جائے پھر وہ اور اس کا دوست تابوت میں بیٹھے اور گدھ اسے لے کر اڑے۔ جب گدھوں نے گوشت کو دیکھا تو اس کی طلب میں تابوت کو اوپر اڑاتے گئے حتی کہ وہ وہاں تک پہنچ گئے جہاں اللہ نے چاہا۔ اس جابر نے اپنے دوست کو کہا: دروازہ کھول اور دیکھ تجھے کیا نظر آتا ہے؟ اس نے کہا: میں پہاڑوں کو یوں دیکھ رہا ہوں کہ وہ مکھیاں ہیں، اس نے کہا: دروازہ بند کر۔ پھر وہ گدھ تابوت کو لے کر وہاں تک چڑھے جہاں تک اللہ نے چاہا کہ وہ چڑھیں۔ تو جابر نے اپنے دوست کو کہا: دروازہ کھول اور دیکھ تجھے کیا نظر آتا ہے۔ اس نے کہا: اب تو مجھے آسمان نظر آرہا ہے اور یہ ہم سے کچھ ہی فاصلے پر ہے۔ اس نے کہا: لکڑی کو توڑ دے اس نے اسے توڑ دیا، گدھیں گر گئیں۔ جب تابوت زمین پر گرا تو بہت بلند اور سخت آواز سنی گئی قریب تھا کہ پہاڑ اپنی جگہوں سے ہٹ جاتے۔ راوی نے کہا: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وَ اِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ پہلے لام کے فتحہ اور دوسرے لام کے ضمہ کے ساتھ پڑھتے ہوئے بھی سنا ہے۔ ثعلبی نے اس خبر کو اپنے معنی کے ساتھ روایت کیا ہے اور جابر سے مراد نمرود تھا جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ان کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا تھا۔

عکرمہ نے کہا: اس کے ساتھ تابوت میں ایک بغیر داڑھی کے لڑکا تھا، اس نے ایک کمان اور تیر اٹھایا ہوا تھا تو اس نے تیر پھینکا وہ خون کے ساتھ لت پت اس کے پاس واپس لوٹا۔ اس نے کہا: اے آسمان کے خدا! میں نے تیرا کام تمام کر دیا۔ عکرمہ نے کہا: آسمان کی مچھلی کے خون سے تیر خون آلود ہوا جس مچھلی نے اپنے آپ کو سمندر سے ہوا میں پھینکا اور ہوا میں معلق ہوگئی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: ایک پرندہ تھا جسے تیر لگا پھر نمرود نے اپنے ساتھی کو کہا کہ لکڑی توڑ دے اور گوشت کو نیچے گرا دے، تو گدھیں تابوت سمیت گر گئیں۔ پہاڑوں نے تابوت اور گدھوں کے گرنے کی آواز سنی تو گھبرا گئے۔ اور انہوں نے گمان کیا کہ آسمان میں کوئی واقعہ پیش آگیا ہے اور قیامت قائم ہوگئی ہے، پس یہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد: وَ اِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ہے۔

قشیری نے کہا: یہ واقعہ پہاڑوں میں زندگی کی تخلیق کی تقدیر کے ساتھ جائز ہو سکتا ہے۔ ماوردی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا ہے کہ نمرود بن کنعان نے کوفہ کے گرد و نواح میں رس نامی بستی میں ایک محل بنایا اس نے اس کی لمبائی پانچ ہزار پچاس ذراع اور چوڑائی تین ہزار پچیس ذراع بنائی، اس سے گدھوں کے ساتھ وہ اوپر چڑھا، جب اسے معلوم ہوا کہ آسمان میں اس کے لیے کوئی راستہ نہیں تو اس نے اسے قلعہ بنا لیا اور اس میں گھر والوں اور بیٹوں کو جمع کیا تا کہ وہ اس میں ان کی حفاظت کرے، اللہ تعالیٰ نے اس کی عمارت اور محل کو بنیادوں سمیت اٹھایا، وہ محل ان پر گر پڑا اور وہ سارے ہلاک ہو گئے، وَ قَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ کا یہی معنی ہے اور ان کے مکر و فریب کی وجہ سے جن پہاڑوں کا زوال مراد لیا گیا ہے اس کی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت تو یہ ہے کہ وہ زمین کے پہاڑ ہیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ ان سے مراد اسلام اور قرآن ہے، کیونکہ یہ اپنے ثبوت اور رسوخ میں پہاڑوں کی طرح ہیں۔ قشیری نے کہا: وَ عِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ سے مراد یہ ہے کہ وہ ان کے فریب کو جانتا

ہے پس وہ انہیں اس کی سزا دے گا، یا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ان کے مکر کی جزا ہے یعنی عند اللہ جزاء مکرھم تو جزا جو کہ مضاف ہے اسے حذف کر دیا گیا۔ وَ اِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ، لِتَزُوْلَ کی پہلی لام کے کسرہ کے ساتھ، یعنی ان کا مکر کوئی ایسا مکر نہیں کہ جس کا اللہ کے ہاں کوئی اثر ہو اور جس سے کوئی خطرہ ہو، اور پہاڑ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کی ضرب المثل ہے۔ اور ایک قول یہ ہے: وَ اِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ، فی تقدیرھم، لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ یعنی اگرچہ ان کا مکر ان کے انداز ے میں ایسا تھا کہ اس سے پہاڑ اکھڑ جاتے اور اسلام کو باطل قرار دینے میں موثر تھا۔ اور اس کو لَتَزُوْلُ مِنْهُ الْجِبَالُ پہلی لام کے فتحہ اور دوسری کے ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، یعنی وہ بہت بڑا مکر تھا اس سے پہاڑ اکھڑ جاتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرمائی۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: وَ مَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ (نوح) کی طرح ہے اور پہاڑ نہیں اکھڑتے یہ کسی چیز کے بڑا ہونے سے عبارت ہے، اور ایسا ہوتا رہتا ہے۔

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾

"تم یہ مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی کرنے والا ہے اپنے رسولوں سے، یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا زبردست ہے (اور) بدلہ لینے والا ہے"۔

قولہ تعالیٰ: فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ اللہ تعالیٰ کا اسم جلالت اور مخلف تحسبن کے مفعول ہیں۔ اور رسلہ، وعدہ کا مفعول ہے اس میں ایسا ہونے کی وسعت ہے اور اس کا معنی وعدہ رسلہ ہے۔

شاعر نے کہا:

تَرَى الثَّوْرَ فيها مُدْخِلَ الظِّلِّ رَأْسَهُ وسائِرُهُ بادٍ إلى الشَّمْسِ أَجْمَعُ(1)

اس میں مدخل الظل رأسہ کا معنی ہے، مدخلا لرأسہ فی ظل کتابہ۔ قتبی نے کہا: یہ اس مقدم میں سے ہے جس کا مؤخر اس کی وضاحت کرتا ہے اور اس مؤخر میں سے ہے جس کا مقدم اس کی وضاحت کرتا ہے۔ لہٰذا مخلف وعدہ رسلہ اور مخلف رسلہ وعدہ دونوں برابر ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ یعنی اپنے دشمنوں سے انتقام لینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے المنتقم بھی ہے یعنی انتقام لینے والا اور ہم نے اسے "الکتاب الاسنی فی شرح اسماء الحسنی" میں بیان کر دیا ہے۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

1۔ المحرر الوجیز، سورۂ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 346

وَلِيَذَّكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

''یاد کرو اس دن کو جب کہ بدل دی جائے گی یہ زمین دوسری (قسم کی) زمین سے اور آسمان بھی (بدل دیئے جائیں گے) اور سب لوگ حاضر ہو جائیں گے اللہ کے حضور میں (وہ اللہ) جو ایک ہے (اور) سب پر غالب ہے اور تم دیکھو گے مجرموں کو اس روز کہ جکڑے ہوئے ہوں گے زنجیروں میں۔ ان کا لباس تارکول کا ہوگا اور ڈھانپ رہی ہوگی ان کے چہروں کو آگ۔ یہ اس لیے تاکہ بدلہ دے اللہ تعالیٰ ہر شخص کو جو اس نے کمایا تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ یہ (قرآن) ایک پیغام ہے سب انسانوں کے لیے (اسے اتارا گیا ہے) تاکہ انہیں ڈرایا جائے اس کے ذریعہ اور تاکہ وہ اس حقیقت کو خوب جان لیں کہ صرف وہی ایک خدا ہے اور تاکہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیں (اس حقیقت کو) دانشمند لوگ''۔

قولہ تعالیٰ: يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ یعنی یاد کرو اس دن کو جس دن زمین کو تبدیل کر دیا جائے گا، لہٰذا الیوم ماقبل کے متعلق ہوگا یعنی اذکر کے۔ اور ایک قول کے مطابق یہ یوم یقوم الحساب کی صفت ہے۔ زمین کی تبدیلی کی کیفیت میں اختلاف ہے، بہت سارے لوگوں نے کہا کہ زمین کی تبدیلی اس کی صفات کی تبدیلی، اس کے ٹیلوں کی برابری، اس کے پہاڑوں کے ریزہ ریزہ ہونے، اور اس کی زمین کی لمبائی سے عبارت ہے۔ اس کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ نے اسے اپنی سنن میں روایت کیا ہے اور ابن مبارک نے اسے شہر بن حوشب کی حدیث سے ذکر کیا ہے، انہوں نے کہا مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے آپ نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا تو سطح زمین کو لمبا کر دیا جائے گا اور اس کی وسعت میں اتنا اتنا اضافہ کر دیا جائے گا۔ اور انہوں نے حدیث کو ذکر کیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''زمین کو دوسری قسم کی زمین سے بدل دیا جائے گا پس وہ اسے پھیلائے گا اور وہ اسے عکاظی سطح زمین کی صورت میں لمبا کرے گا تو اس میں نہ کوئی ٹیڑھا پن دیکھے گا اور نہ ہی کوئی اونچا مقام دیکھے گا پھر اللہ تعالیٰ مخلوق کو سخت جھڑکے گا تو لوگ دوسری زمین میں اپنی انہی جگہوں میں پہنچ جائیں گے جن جگہوں میں پہلی زمین میں تھے۔ جو زمین کے اندر تھا وہ اندر ہی ہوگا اور جو زمین کے اوپر تھا وہ اوپر ہی ہوگا''۔ اس کو غزنوی نے ذکر کیا ہے۔ اور آسمان کی تبدیلی اس کے سورج اور چاند کی روشنی کا خاتمہ اور اس کے ستاروں کے بکھر جانے کے ساتھ ہوگی، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

اور ایک قول یہ ہے: اس کے احوال مختلف ہونے کے ساتھ اس میں تبدیلی ہوگی ایک دفعہ چاندی کی طرح اور دوسری دفعہ ادھوڑی کی طرح، اس کو ابن انباری نے حکایت کیا ہے۔ ہم (قرطبی) نے اس باب کو کتاب ''التذکرہ'' میں تفصیلی طور پر بیان کر دیا ہے اور علماء کے جملہ اقوال ہم نے اس میں ذکر کر دیے ہیں۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ اس زمین کا ازالہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ارشادات کے مطابق ہوگا۔

امام مسلم نے حضرت ثوبان جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے ان سے روایت کیا ہے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑا تھا کہ یہودی علماء میں سے ایک عالم آپ کے پاس آیا اس نے کہا: السلام علیکم پھر راوی

نے حدیث ذکر کی اس میں یہ بھی ہے کہ یہودی نے کہا: جس دن زمین کو دوسری زمین سے اور آسمان کو دوسرے آسمان سے بدل دیا جائے گا اس دن لوگ کہاں ہوں گے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پل کے پیچھے تاریکی میں ہوں گے''۔ اور پھر حدیث کو ذکر کیا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی آپ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ سے یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ کے متعلق پوچھا گیا کہ اس دن لوگ کہاں ہوں گے؟ تو آپ نے فرمایا: ''پل صراط پر'' (1)۔ ابن ماجہ نے اسے مسلم کی اسناد سے ذکر کیا ہے اور ترمذی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کی تخریج کی اور آپ ہی سوال کرنے والی تھیں۔ ترمذی نے کہا: ہذا حدیث حسن صحیح۔ یہ احادیث اس بات پر نص ہیں کہ آسمان اور زمین تبدیل ہوں گے، زائل ہوں گے اور اللہ تعالیٰ دوسری زمین پیدا فرمائے گا پل پر ٹھہرنے کے بعد اس زمین پر لوگ ہوں گے۔

صحیح مسلم میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن لوگ سفید مٹیالی زمین پر جمع ہوں گے جیسے صاف آٹے کی روٹی ہوتی ہے۔ اس میں کسی کے لیے کوئی نشانی نہیں ہوگی'' (2)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے ابو جعفر محمد بن علی سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے کہا: اس کو روٹی کے ساتھ بدل دیا جائے گا قیامت کے دن لوگ اسی سے کھائیں گے۔ پھر انہوں نے وَ مَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ (الانبیاء: 8) کا ارشاد پڑھا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کو ایک اور چاندی کی طرح سفید زمین کے ساتھ بدلا جائے گا جس پر کوئی غلطی نہیں ہوئی ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سفید چاندی کی زمین سے اسے تبدیل کیا جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس دن زمین کو چاندی سے اور آسمان کو سونے سے بدلا جائے گا اور یہ عین اور ذات کی تبدیلی ہوگی۔ وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ یعنی وہ اپنی قبروں سے ظاہر ہوں گے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔

وَ تَرَى الْمُجْرِمِیْنَ، مجرمین سے مراد مشرکین ہیں۔ یَوْمَئِذٍ یعنی قیامت کے دن۔ مُقَرَّنِیْنَ یعنی باندھے ہوئے۔ فِی الْاَصْفَادِ یہ طوق اور بیڑیاں ہیں، اس کا واحد صفد اور صَفَد ہے اور صورتہ صفداً کہا جاتا ہے یعنی میں نے اسے قید کیا اور الصفد اسم ہے اور جب آپ کثرت کا ارادہ کریں تو صفدتہ تصفیداً کہیں گے۔ عمرو بن کلثوم نے کہا:

فَآبُوا بِالنِّهَابِ وَالسَّبَایَا وَأُبْنَا بِالْمُلُوكِ مُصَفَّدِینَا (3)

مصفدینا سے مراد مقیدینا ہے۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کہا،

مِنْ كُلِّ مَأْسُورٍ یُشَدُّ صِفَادُهُ صَقْرٍ إِذَا لَاقَى الْكَرِیهَةَ حَامِ (4)

صفادہ سے مراد غلہ یعنی اس کی ہتھکڑی ہے۔

1۔ معالم التنزیل، سورۂ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 390
2۔ ایضاً، سنن ابن ماجہ، باب ذکر البعث، حدیث نمبر 4268 ضیاء القرآن پبلی کیشنز
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 3، صفحہ 145
4۔ ایضاً، جلد 3، صفحہ 144

اور أصفدتہ إصفادا سے مراد ہے کہ میں نے اسے عطا کیا۔ اور ایک قول یہ ہے: صفدتہ اور أصفدتہ قید اور عطا کرنے دونوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ نابغہ نے کہا:

فَلَمْ أُعَرِّض أَبَيْتَ اللَّعْنَ بالصَّفَدِ (1)

الصفد سے مراد عطا ہے کیونکہ یہ اسے قید کرتا ہے اور غلام بناتا ہے۔

ابو الطیب متنبی نے کہا:

وقَيَّدْتُ نفسِى فى ذَرَاكَ مَحَبَّةً ۔۔۔ ومَنْ وَجَدَ الإحسانَ قَيْدًا تَقَيَّدَا

میں نے اپنے آپ کو محبت سے تیرے پاس قید کر دیا ہے اور جس نے احسان کو قید پایا وہ قید ہو گیا۔

(تو اس سے معلوم ہوا کہ عطا اور احسان بھی قید ہے)

اور ایک قول یہ ہے کہ ہر کافر کو شیطان کے ساتھ جکڑا جائے گا، اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ کے ارشاد اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ (الصافات:22) میں ہے۔ اَزْوَاجَهُمْ سے شیطانوں میں سے جو ان کے دوست ہیں وہ مراد ہیں (2)۔ اور ایک قول یہ ہے ان سے مراد کفار ہیں وہ بیڑیوں اور ہتھکڑیوں میں اکٹھے ہوں گے جس طرح دنیا میں وہ گناہوں پر جمع ہوتے ہیں۔ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ، سَرَابِيْلُهُمْ سے مراد ان کی قمیصیں ہے۔ ابن درید وغیرہ سے منقول ہے کہ اس کا واحد سربال ہے اور فعل سربلت اور سربلت غیری آتا ہے، کعب بن مالک نے کہا:

تَلْقَاكُمْ عَصَبٌ حَوْلَ النَّبِى لَهُمْ ۔۔۔ مِنْ نَسْجِ دَاوِدَ فِى الْهَيْجَا سَرَابِيلُ

مِّنْ قَطِرَانٍ اس سے مراد اونٹوں کا وہ سیال ہے جس کو اونٹوں پر ملا جاتا ہے (تارکول) یہ حضرت حسن کا قول ہے (3)۔ اور یہ ان میں آگ کے بھڑکنے کے لیے زیادہ بلیغ ہے اور صحیح میں ہے کہ نوحہ کرنے والی عورت اگر اپنے مرنے سے پہلے توبہ نہ کرے تو قیامت کے دن وہ اس حالت میں کھڑی ہوگی کہ اس پر تارکول کی قمیص اور آگ کی اوڑھنی ہوگی۔

حماد سے مروی ہے کہ عربوں نے کہا کہ یہ تانبا ہے۔ عیسیٰ بن عمر نے قطران قاف کے فتحہ اور طا کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور اس میں ایک تیسری قراءت بھی ہے، وہ ہے قاف کے کسرہ اور طا کی جزم کے ساتھ۔ اسی سے ابو النجم کا یہ شعر ہے:

جَوْنٌ كَأَنَّ الْعَرَقَ الْمَنْتُوحَا ۔۔۔ لَبَّسَهُ الْقِطْرَانَ وَالْمُسُوحَا

اس میں القطران اسی تیسری قراءت کے مطابق ہے۔

اور چوتھی قراءت مِنْ قِطْرٍ انٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عکرمہ، حضرت سعید بن جبیر اور یعقوب سے مروی ہے: القطر سے مراد تانبا اور پگھلا ہوا پیتل ہے اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد أتونی أفرغ علیه قطرا ہے اور ''ان'' انتہائی گرم، اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَ بَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ (الرحمٰن:44) ہے۔ وَّ تَغْشٰى یعنی وہ مارے گی۔ وُجُوْهَهُمُ

1۔ تفسیر ماوردی، سورۃ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 145
2۔ معالم التنزیل، سورۃ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 391
3۔ تفسیر ماوردی، سورۃ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 145

النَّارُ اور آگ ان کے چہروں کو ڈھانپ لے گی۔ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ، مَّا كَسَبَتْ سے مراد بما کسبت ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ پہلے گزر چکا ہے۔

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ یعنی یہ جو ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے یہ پیغام ہے۔ ابلاغ سے مراد تبلیغ اور نصیحت ہے(1)۔ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ یعنی تاکہ آپ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے انہیں ڈرائیں۔ اس کو ولینذروا یا اور ذال کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ جب آپ کسی چیز کے متعلق جان لیں اور اس کی تیاری کرنے لگیں تو نذرتُ بالشیٔ أنذر کہا جاتا ہے۔

جس طرح عسیٰ اور لیس کا مصدر استعمال نہیں ہوتا اسی طرح اس کا مصدر بھی استعمال نہیں ہوتا، گویا کہ وہ ان اور فعل کے ذریعے اس مصدر سے مستغنی ہو گئے جیسے آپ کا قول: سرنی أن نذرت بالشئی ولیعلموا أنما ھو إلہ واحد یعنی تاکہ دلائل و براہین کے قائم ہونے کے ذریعے وہ اللہ کی وحدانیت کو خوب جان لیں۔ وَلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ یعنی تاکہ عقل والے نصیحت حاصل کریں(2)۔ لینذروا، لیعلموا اور لیذکر میں موجود لام محذوف کے متعلق ہوں گی، تقدیر عبارت ہو گی: ولذلك انزلناہ یمان بن رباب نے روایت بیان کی ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے(3)۔ کسی نے پوچھا کہ کیا اللہ کی کتاب کا کوئی عنوان بھی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں۔ کہا گیا: وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد: هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ آخر تک۔ سورۂ ابراہیم علیہ السلام مکمل ہوئی۔ والحمدللہ

1۔ معالم التنزیل، سورۂ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 391　2۔ ایضاً

3۔ تفسیر ماوردی، سورۂ ابراہیم، جلد 3، صفحہ 146